جلد۳ شمارہ ۲
اپریل تا جون ۲۰۰۳

چیلنج

ایڈیٹر: عذرا طلعت سعید

تاحشر زمانہ تمہیں مکار کہے گا...

پاکستان کی طرح بین الاقوامی سطح پر بھی ایسا نظر آ رہا ہے کہ سرمایہ دارانہ طاقتیں اپنی عوام دشمن چالیں چلنے میں مصروف ہیں۔ پاکستان کا بجٹ ۰۴-۲۰۰۳ یقیناً ریاست کے ارادوں کو سمجھنے کے لیے ایک کھلی کتاب ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں کہ آج بھی نوآبادیاتی دور کی طرح ہمارے حکمرانوں کی ڈور سامراجی طاقتوں کے ہاتھوں میں ہے۔

موجودہ بجٹ تنخواہ دار افسران کے لیے مراعات کا تو اعلان کرتا ہے لیکن مزدور طبقہ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ عوام کے مسائل، بڑھتی ہوئی مہنگائی کی وجہ سے سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔ اس مہنگائی کی مکمل ذمہ داری ہماری ریاست، عالمی بینک اور آئی ایم ایف پر عائد ہوتی ہے جن کی ''مہربانیوں'' سے ڈیزل، بجلی، ادویات اور کئی انتہائی ضروری شعبے اور اشیاء پر بھاری ٹیکس عائد کیے گئے ہیں۔

ماہ ستمبر میں عالمی تجارتی ادارہ (ڈبلیوٹی او) کا پانچواں وزارتی اجلاس منعقد ہونے والا ہے۔ امید کی جا رہی تھی کہ شائد تیسری دنیا کے ممالک کے لیے ڈبلیوٹی او کے زرعی معاہدے میں کچھ ترمیمات کی گنجائش فراہم کی جائے گی۔ لیکن پچھلے سال سے جاری بات چیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہتری تو درکنار مزید معاہدوں کا بوجھ دنیا کی عوام پر مسلط کرنے کے لیے پانسہ پھینک دیا گیا ہے۔

پاکستان نے عالمی مالیاتی وتجارتی اداروں کے مطالبہ پر پہلے ہی سے کم محصولات میں مزید کمی کر دی ہے۔ اس طرح بین الاقوامی کمپنیوں کی دیرینہ خواہشات کو پورا کیا گیا ہے کہ وہ ہماری منڈی پر قابض ہو کر اپنے منافع کمانے کی صلاحیت کو مزید مستحکم کر سکیں۔ درآمدی محصولات میں کمی سے پاکستان میں غیر ملکی مصنوعات، خاص طور پر غذائی اشیاء کی عام موجودگی سے مقامی شعبہ زراعت اور صنعت کو جو نقصان پہنچے گا اس کا خمیازہ یقیناً سب سے پہلے مزدور کسان اور دیگر مزدور طبقے ہی بھگتیں گے۔ جیسے جیسے یہ کمپنیاں سستی مصنوعات کے عوض ملکی اشیاء کو منڈی سے ہٹانے میں کامیاب ہو کر منڈی پر قابض ہوتی جائیں گی ویسے ویسے ان کی اشیاء کی قیمتیں بھی آسمان پر پہنچتی جائیں گی۔

یہی سلسلہ برطانوی راج نے اپنی آزاد تجارتی پالیسیوں کے ذریعے ہم پر تھوپا تھا۔ کئی لاکھوں مزدور کسان عالمی زرعی قیمتوں میں کمی کی وجہ سے قرضے کے نظر ہوئے۔ ان اثرات کو خشک سالی نے مزید سنگین کر دیا اور نتیجہ ۱۸۷۸ کا عالمگیر قحط تھا۔ حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سامراج نے نوآبادیات کو دیگر علاقوں تک وسعت دے کر اپنے قبضے کو کئی درجہ مضبوط کیا۔

تاریخ اپنے آپ کو پھر سے دہراتی نظر آ رہی ہے کیونکہ یہی ہتھکنڈے آج کل جی-۸ کے ممالک اور ان کے زیرِ سایہ ادارے سامراجی ایجنڈے کو تیسری دنیا کے ممالک پر مسلط کرنے میں مصروف ہیں۔ ایک طرف اقوام متحدہ ہمارے حیاتی تنوع کے بیش بہا ذخیروں کو ''غربت سے چھٹکارا'' حاصل کرنے کے نام پر کھلے عام بیچنے کا پروگرام ترتیب دے رہا ہے اور دوسری طرف ایشیائی ترقیاتی بینک جیسے اداروں کی ''ہمدردانہ'' قرضہ جات اور تجاویز کا ڈھیر ہے۔ دراصل یہ پالیسیاں بھیڑ کی کھال میں بھیڑیے کی ایک چال کے علاوہ کچھ نہیں۔

ہماری حکومت آئندہ آنے والے سالوں میں بہتری کے وعدوں کے سوا کچھ کرنے کو تیار نہیں۔ اگر عوام ریاست کے جھوٹے وعدوں پر یونہی بھروسہ کرتی رہی تو سامراج کو اپنے جال پھیلانے میں مزید آسانی پیش آئے گی لیکن عوام نے کبھی بھی سامراجیت خاموشی سے قبول نہیں کی اور نہ آئندہ کرے گی۔ موجودہ دور میں امریکہ کے خلاف عراقی عوام کی گوریلا جنگ اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر عوام چاہے تو بڑا سے بڑا انقلاب لایا جا سکتا ہے۔

فہرست مضامین

بجٹ ۰۴-۲۰۰۳ 2
عالمی تجارتی ادارے کا پانچواں وزارتی اجلاس .. 4
مزدور کسان کا عالمی دن 7
سامراجیت، آزاد تجارت اور قحط 9
بات تو سچ ہے مگر 11
رخ زمانہ 13
زہر صرف زہر ہے 15

چیلنج روٹس فار ایکوٹی (Roots for Equity) نے ایچ بی ایف (Heinrich Boll Foundation) کے تعاون سے شائع کیا ہے۔
سیکرٹریٹ: اے۔113، بلاک 13- ڈی، گلشن اقبال، کراچی
فون/فیکس +92 21 497 9267 ای میل roots@super.net.pk
فیلڈ یونٹ: پلاٹ نمبر 46 گلشن فیض-II، ٹنڈو محمد خان، فون: +92 224 42373

بجٹ ۰۴-۲۰۰۳: ایک عام شہری اور دیہی آبادی کے حوالے سے ایک جائزہ

سرتاج خان

وفاقی حکومت نے مالی سال ۰۴-۲۰۰۳ کے لیے بجٹ ۷ جون کو پیش کیا۔ یہ اکتوبر ۲۰۰۲ کے انتخابات کے بعد تشکیل پانے والی نیم فوجی حکومت کا پہلا بجٹ ہے۔ بجٹ، فوجی حکومت کی گزشتہ تین سال سے جاری پالیسیوں کا تسلسل ہے۔ حکومت نے مالی سال ۰۴-۲۰۰۳ کے لیے بجٹ کا تخمینہ ۸۰۵ء۲ بلین (۸۰۵ ارب) روپے لگایا ہے۔ بجٹ میں عوامی شعبے کی ترقی کے لیے ۱۶۰ بلین روپے رکھے گئے ہیں۔ بجٹ میں قرضوں کی واپسی کے لیے ۲۵۶ بلین روپے اور دفاع کے لیے ۱۶۰ بلین روپے یعنی مجموعی بجٹ کا ۵۱ء۷ فیصد تو صرف قرضوں کی واپسی اور دفاعی امور کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔ بجٹ میں تعلیم کے لیے ۳ء۱ بلین روپے اور صحت کے لیے ۴ء۳۷ بلین روپے مختص کیے گئے ہیں۔ حکومت کا کہنا ہے بجٹ میں غربت سے تعلق رکھنے والے مسائل کے لیے ۱۸۵ بلین رکھے گئے ہیں۔ وفاقی وزیر خزانہ نے بجٹ کو سرمایہ کاری اور روزگار کے مواقع بڑھانے والا بجٹ قرار دیا۔ انہوں نے کوئی نیا ٹیکس عائد نہ کرنے کا اعلان بھی کیا ہے۔[1]

حکومت نے سرکاری ملازمین اور افسران کے لیے کئی مراعات کا اعلان کیا لیکن غیر سرکاری شعبوں اور انتہائی کم دھاڑی پر کام کرنے والے افراد کو سرے سے نظر انداز کر دیا ہے۔ وزیر خزانہ نے کہا کہ اگلے دو یا تین سال کے دوران بجلی کے نرخوں میں کمی کی جائے گی! اس کمی کی وجوہات میں انہوں نے نجی شعبے میں بجلی فراہم کرنے والے اداروں (آئی پی پیز) کو ادا کی جانے والی رقم میں کمی، فرنس آئل کی جگہ گیس کا استعمال، غازی بروتھا پروجیکٹ سے بجلی کی فراہمی اور تھر، سندھ سے ملنے والے کوئلے کے ذخائر سے بجلی کی پیداوار شامل ہیں۔ وزیر خزانہ کے ان دعوؤں کے عمل میں آنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں کیونکہ واپڈا اور کے ای ایس سی کے فروخت ہونے کے اعلانات ہو چکے ہیں اور تیل کی طرح بجلی کے نرخ بھی خود مختیار ادارے عالمی منڈی کے مطابق مقرر کریں گے جس کا لازمی اثر عوام پر پڑے گا۔

بجٹ ۰۴-۲۰۰۳ کے مطابق حکومت کو ۶۲۶ء۲ بلین روپے کی آمدنی متوقع ہے۔ اخراجات (۸۰۵ء۲ بلین روپے) اور آمدنی (۶۲۶ء۲ بلین روپے) کے درمیان پائے جانے والا فرق تقریباً ۱۷۹ بلین روپے بنتا ہے جو قومی پیداوار کا ۴ فیصد ہے۔ یہ خسارہ آئی ایم ایف کے مقرر کردہ حد کے اندر ہے۔ حکومت نے اس سال محصولات کے ضمن میں ۵۱۰ بلین روپے آمدنی کا تخمینہ لگایا ہے جس میں ۳۴۸ء۹ بلین روپے بلاواسطہ ٹیکس بھی شامل ہے۔ معاشی تجزیہ ۰۳-۲۰۰۲ کے مطابق بلاواسطہ ٹیکسوں کی شرح میں گزشتہ تین سال میں اضافہ ہوا ہے مثلاً ۹۹-۱۹۹۸ میں بلاواسطہ ٹیکسوں کی شرح خام ملکی پیداوار (جی ڈی پی) کا ۹ء۷ فیصد تھی جبکہ ۰۲-۲۰۰۱ میں یہ بڑھ کر ۱۱ء۳ فیصد ہو گئی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ درآمدی محصولات (کسٹم ڈیوٹی) کی شرح ۳۳ فیصد سے کم ہو کر ۱۸ء۹ فیصد اور سینٹرل ایکسائز ڈیوٹی کی شرح ۳۰ء۷ فیصد سے کم کر کے ۱۷ء۶ فیصد کر دی گئی۔[2] اس سے ایک طرف حکومت کی آمدنی میں کمی ہوئی اور دوسری طرف مقامی صنعت کو زبردست نقصان پہنچا اور بیروزگاری میں اضافہ ہوا۔ حکومت نے یہ اقدامات آئی ایم ایف، عالمی بینک اور ایشیائی ترقیاتی بینک کے ساتھ کیے گئے مختلف معاہدوں کے تحت کیے۔ ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے قوانین بھی درآمدی ٹیکس میں کمی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ البتہ عالمی مالیاتی اداروں نے حکومت کی آمدنی میں کمی کا حل بھی تلاش کر دکھایا: استعمال کی عام اشیاء پر عائد ہونے والے ٹیکسوں میں اضافہ مثلاً حکومت نے ۹۹-۱۹۹۸ سے لیکر ۰۲-۲۰۰۱ کے عرصے کے دوران سیلز ٹیکس ۳۶ء۳ فیصد سے بڑھا کر ۶۳ء۵ فیصد کر دیا۔ اس طرح سیلز ٹیکس کی رقم ۹۹-۱۹۹۸ میں ۲۷ بلین روپے تھی، ۰۲-۲۰۰۱ میں بڑھ کر ۱۷۹ء۱ بلین روپے ہو گئی۔[3]

موجودہ بجٹ میں عام آدمی کو مکمل طور پر نظرانداز کیا گیا ہے اور اسے صرف یہ خوشخبری سنانے پر اکتفا کیا گیا ہے کہ ملک ۵ء۲ فیصد کی شرح سے ترقی کر رہا ہے۔ حکومت نے ۰۳-۲۰۰۲ کے معاشی جائزے[4] میں بڑے فخر کے ساتھ پاکستان کی ترقی کی شرح کا موازنہ دیگر ترقی پزیر اور ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ کیا ہے جن میں کینیڈا، جاپان اور جنوبی افریقہ بھی شامل ہیں۔ یہ حکومتی دعوے اس وقت زبردست تنقید کی زد میں ہیں۔

فوجی حکومت نے ۱۱ ستمبر کے بعد اپنی خارجہ پالیسی مکمل طور پر سامراجی اشاروں پر وضع کر رکھی ہے۔ پاکستانی فوجی حکمرانوں نے افغانستان اور عراق پر حملہ میں امریکہ کا بھرپور ساتھ دیا جس سے غلامی کے ایک نئے دور کا آغاز بھی ہوا۔ لیکن ''سب سے پہلے پاکستان'' کے ثمرات صرف حکمراں طبقہ تک ہی محدود ہیں۔ دیہات میں رہنے والی ۷۰ فیصد آبادی کو سخت غربت کا سامنا ہے۔[5] سندھ کے ریگستانی ضلع تھرپارکر کے بھوک اور قحط کے شکار ۵۰۰ گاؤں کے چار لاکھ افراد کو اپنے گھر چھوڑ کر نقل مکانی کرنی پڑی۔ حکومتی بے توجہی اور نظرانداز کر دیے جانے کے باعث خواتین اور بچوں کو بھیک مانگنے پر مجبور کیا گیا۔[6] حکومت امدادی خوراک پروگرام کے ذریعے پاکستان کی ۵۰ فیصد سے زائد غریب آبادی میں سے صرف ۱۲ لاکھ افراد کو ۲،۴۰۰ روپے سالانہ ادا کر کے غربت کا خاتمہ کرنا چاہتی ہے!

حکومت کے بلند و بانگ دعوؤں کی قلعی اس کے صحت کے متعلق پالیسیوں سے بھی کھل جاتی ہے۔ ملک کے سرکاری اسپتالوں کی حالت ابتر ہو گئی ہے جبکہ جگہ جگہ نجی اسپتال کھولے جا رہے ہیں، جن میں علاج کرانا ہر شہری کے بس میں نہیں۔ دوسری مہلک بیماریوں کے علاوہ پاکستان میں ۱۵ لاکھ افراد ٹی بی سے متاثر ہیں اور اس میں ہر سال ۲۵۰،۰۰۰ افراد کا اضافہ ہو رہا ہے۔[7] پاکستان میں ٹی بی سے مرنے والوں میں ۵۲ فیصد عورتیں اور ۱۷ فیصد پانچ سال سے کم عمر بچے شامل ہیں۔[8] ٹی بی کا مسئلہ ایک

مرتبہ پھر اس لیے سر اٹھا رہا ہے کہ ملک میں غربت بڑھ رہی ہے۔ غربت بڑھنے کی وجہ سے عام لوگوں نے خوراک پر اپنے اخراجات کم کردیے ہیں کیونکہ بیروزگاری، تیل اور بجلی کی قیمتوں میں بے تحاشا اضافے نے لوگوں کو مجبور کیا ہے کہ وہ خوراک پر اپنے بجٹ کو نئے سرے سے ترتیب دیں۔ دوسری طرف خواتین اور بچوں کی صورتحال بھی کئی حقائق کی نشاندہی کرتی ہے۔ خواتین کو گھرانے میں کم سے کم خوراک ملتی ہے۔ جدید زرعی پالیسی کے تحت زراعت سے خواتین کی علیحدگی اس سلسلے میں بہت اہم عنصر ہے۔ چونکہ خواتین کو کم غذا ملتی ہے اس لیے پیدا ہونے والے بچے کی صحت پر منفی اثرات پڑنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ ان بیماریوں کا بعد ازاں تشخیص نہ ہونے کی اہم وجہ بھی حکومت کی پالیسی ہے کیونکہ ۴۵ فیصد شہریوں کو صحت کی سہولیات مہیا ہی نہیں ہیں۔[۹]

اس سال بجٹ میں زراعت کے لیے ۱۷ بلین روپے مختص کیے گئے ہیں۔ اس رقم کا بڑا حصہ ڈیموں اور نہروں کی تعمیر اور پرانی نہروں کی پختگی پر خرچ کیا جائے گا۔ وزیرخزانہ کا خیال ہے کہ اس سے ایک طرف پانی کی فراہمی بڑھے گی اور دوسری طرف روزگار میں اضافہ ہوگا لیکن ان دعوؤں کو پرکھنے کی ضرورت ہے۔ حکومت پانی کی سہولتوں کی بہتری کسانوں سے زیادہ ان بین الاقوامی کمپنیوں کے مفاد میں کررہی ہے جو عنقریب پانی کی فراہمی کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے والی ہیں۔ حکومت عالمی بینک کے منصوبے کے تحت پانی کی اصلاحات کا اعلان کرچکی ہے۔ زرعی اقتصادیات کے ماہر محمود حسن خان کا کہنا ہے کہ حال ہی میں زرعی ڈھانچے میں تبدیلی کے نتیجہ میں تیزی سے لوگ زرعی زمین سے ہاتھ دھو رہے ہیں۔ یہ رجحان چھوٹے کسانوں میں عام ہے۔ زمین سے کسان کی علیحدگی اور ان کا دھاڑی کی مزدور کی حیثیت اختیار کرنا ہی دیہی علاقوں میں غربت کی سب سے بڑی وجہ ہے۔[۱۰]

ملک میں ۱۹۹۰ سے ۱۹۹۹ کے نو سالہ عرصہ کے دوران پنجاب میں بے زمین کسانوں کی تعداد ۴۹ء۲۷ فیصد سے بڑھ کر ۵۵ فیصد اور سندھ میں ۶۴ فیصد سے بڑھ کر ۶۹ فیصد ہوگئی ہے۔[۱۱] ایک طرف حکومت نے اس سال مارچ میں مزید زرعی اصلاحات نہ کرنے کا اعلان کیا اور دوسری طرف صدر جنرل پرویز مشرف، جنرل عزیز خان اور جنرل معین الدین حیدر سمیت ۶۲ بڑے اور ۵۶ چھوٹے فوجی افسران کو چولستان سمیت پنجاب کے دیگر اضلاع میں زرعی زمین دی گئی ہے۔[۱۲]

حکومت نے اس سال خشک سالی سے نمٹنے کے لیے ۵۰۰ ملین روپے مختص کیے ہیں لیکن پچھلے دوسالہ ریکارڈ کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اس رقم کا بڑا حصہ بمشکل استعمال کیا جاسکے گا۔ بجٹ میں زرعی مقاصد کے لیے انتہائی اعلیٰ درجے کی مصنوعات (ایسی مہنگی اور جدید مشینری ہوسکتی ہے جو سرمایہ دارانہ طریقہ زراعت میں استعمال کی جائے گی) پر سیلز ٹیکس کا خاتمہ کیا گیا ہے۔ یہ یاد رہے کہ زرعی مشنری کی درآمد پر گزشتہ سال ہر قسم کے درآمدی ٹیکسوں کا خاتمہ پہلے ہی کردیا گیا تھا۔ اس طرح حکومت ہر ممکن طریقے سے جدید کاشتکاری کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتی ہے۔ یہ تمام اقدامات ملک میں کارپوریٹ فارمنگ منصوبے کا حصہ ہیں۔

حکومت جہاں غریب کسانوں کو نظرانداز کررہی ہے وہاں ملک کے بڑے بڑے صنعت کاروں پر واجب الادا اربوں روپے کے قرضے معاف کیے جارہے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق وزیرخزانہ نے قومی اسمبلی کو بتایا کہ گزشتہ تین سال میں فوجی حکومت نے ملک کے امیر طبقہ کو ۲۰ بلین روپے کے قرضے معاف کیے ہیں۔ اس میں زرعی ترقیاتی بینک کے ۵ بلین روپے اور زرعی صنعت سے وابستہ کمپنیوں کے ۷ء۱۷ بلین روپے بھی شامل ہیں۔ حکومت نے پچھلے دنوں اسی اسمبلی میں اقرار کیا تھا کہ ضلع میرپور خاص، سندھ سے زرعی ترقیاتی بینک کا قرضہ ادا نہ کرنے والے ۱۱۱ چھوٹے کسانوں کو گرفتار کیا گیا جنہوں نے بعد ازاں اپنے مال مویشی اور دیگر اشیاء فروخت کرکے جان چھڑائی کیونکہ خشک سالی کے مارے ان کسانوں کے پاس نقد رقم نہیں تھی۔[۱۳]

ایک طرف پاکستان جیسے زرعی ملک میں آئی ایم ایف، عالمی بینک اور ایشیائی ترقیاتی بینک کی پالیسیوں کے تحت کسانوں کو ملنے والی بلواسطہ مراعات ختم کیے جارہے ہیں تو دوسری طرف امریکہ جیسے صنعتی ملک میں سال ۲۰۰۳ کے دوران کسانوں کو ۶ء۱۷ بلین ڈالر اور سال ۲۰۰۴ میں صرف کپاس اور اناج کے کاشتکاروں کو ۴۰ بلین ڈالرز نقد تقسیم کیے جائیں گے۔[۱۴] سامراجی طاقتوں کی دورخی پالیسیوں کی وجہ سے پاکستان سمیت تیسری دنیا کے کسان بے آسرا کیے جارہے ہیں۔ یقیناً حکمراں ٹولے سے کسی بھلائی کی امید نہیں کی جاسکتی۔ عوامی بھلائی کے لیے عوامی طاقت سے تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ وزیرخزانہ کی بجٹ تقریر، دی نیوز اور ڈان، ۸، جون ۲۰۰۳۔

۲۔ آفتاب احمد، گروئنگ برڈن آف ان ڈائریکٹ ٹیکسز، اکنامک اینڈ بزنس ریویو ۸۔۲، جون ۲۰۰۳۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ اکنامک سروے ۰۳۔۲۰۰۲ این اوور ویو، دی نیوز، ۷، جون ۲۰۰۳۔

۵۔ ڈان، ۱۳، مئی ۲۰۰۳۔

۶۔ ڈان، ۱۷، فروری ۲۰۰۳۔

۷۔ دی نیوز، ۲۵، مارچ ۲۰۰۳۔

۸۔ ڈان، ۱۶، اپریل ۲۰۰۳ اور ۲۰، فروری ۲۰۰۳۔

۹۔ ڈان، ۶، اپریل ۲۰۰۳۔

۱۰۔ ڈان، ۱۷، اپریل ۲۰۰۳۔

۱۱۔ ڈان، ۲۴، جون ۲۰۰۳۔

۱۲۔ مہناز فاطمہ، لینڈ ریفارمز پالیسی ڈائریکشن، ڈان، اکنامک اینڈ بزنس ریویو ۲۴۔۳۰، مارچ ۲۰۰۳۔

۱۳۔ ڈان، ۷، فروری ۲۰۰۳۔

۱۴۔ ڈان، ۲۴، جون ۲۰۰۳۔

عالمی تجارتی ادارے کا پانچواں وزارتی اجلاس، کین کون

ولی حیدر

عالمی تجارتی ادارے (ڈبلیو ٹی او) کا پانچواں وزارتی اجلاس میکسیکو کے شہر کین کون میں ۱۰ تا ۱۴ ستمبر کی تاریخوں کے دوران منعقد ہونے والا ہے۔ جوں جوں اجلاس کے دن قریب آرہے ہیں اس کے حوالے سے ہونے والی سرگرمیوں اور تیاریوں میں بھی تیزی پیدا ہورہی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کی جانب سے ترقی پزیر ممالک کو کسی بھی طرح کی آسانیاں نہ دینے کے عمل پر ڈٹے رہنے کی حکمت عملی اور اس کے حوالے سے ترقی پزیر ممالک کا موقف بھی اب مزید کھل کر سامنے آرہا ہے۔ کین کون سے قبل رکن ممالک کے درمیان مختلف معاملات پر اتفاق رائے پیدا کرنے کے حوالے سے مصر، جاپان اور کینیڈا میں منعقد ہونے والے حالیہ غیر رسمی وزارتی اجلاس (منی منسٹیریلز) رکن ممالک کو ایک نقطہ نظر پر متفق کرنے میں بری طرح ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ ڈبلیو ٹی او کی پالیسیوں نے عالمی تجارت کو ملکوں کی سرحدوں سے لاتعلق کرتے ہوئے معاشی ناہمواریوں، محرومیوں اور سماجی پستیوں کو مزید گہرا کردیا ہے۔ ڈبلیو ٹی او کی آزاد تجارت کی وکالت کے نتیجے میں دنیا کی بڑی بڑی بین الاقوامی کمپنیوں کو کھلی چھوٹ مل گئی ہے کہ وہ دنیا کے ہر خطے سے دولت سمیٹیں، مزدور کی محنت کوڑیوں کے مول خریدیں اور وسائل پر قابض ہوجائیں۔

ترقی پزیر اور ترقی یافتہ ممالک کے درمیان اختلافات

ڈبلیو ٹی او کے رکن ممالک کے درمیان مختلف موضوعات پر اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ترقی پزیر اور ترقی یافتہ ممالک کے درمیان زراعت کے موضوع پر اختلافات تو شدید تر ہوچکے ہیں۔ ترقی پزیر ممالک دنیا کی آبادی کا ۷۰ فیصد ہیں، جہاں اکثریت زراعت کے شعبہ سے وابستہ ہے۔ اس کے باوجود اب تک زراعت کے حوالے سے اپنائی گئی عالمی تجارتی پالیسیاں تیسری دنیا کے مزدور کسانوں کو اپنے واحد اور دیرینہ شعبہ کفالت، ثقافت اور سماجی رشتوں سے دن بہ دن دور کرتی جارہی ہے۔ بیشتر ترقی پزیر ممالک میں حکومتوں کی جانب سے اپنائی گئی زیادہ تر زرعی حکمت عملی عالمی مالیاتی اداروں، آئی ایم ایف، عالمی بینک اور ایشیائی ترقیاتی بینک کے تجویز کردہ شرائط کے مطابق ہوتی ہیں۔ حکومتوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ کسانوں کو دی جانے والی مختلف طرح کی سہولیات نا صرف ختم کردی جائیں بلکہ ان کے بوجھ میں مزید اضافہ کیا جائے۔ ان میں مختلف اجناس کی امدادی قیمتوں اور چھوٹ کا خاتمہ، کھاد اور دیگر پیداواری اشیاء پر جی ایس ٹی کا نفاذ، بجلی اور ڈیزل کے نرخوں میں اضافہ شامل ہیں۔ یہ وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے مزدور کسان کی پیداواری لاگت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ نتیجتاً فصل کے فروخت کے بعد پیداواری اخراجات تک پورے نہیں ہو پاتے۔ بڑھتی ہوئی زرعی بے روزگاری کی بناء پر نوکری کی تلاش میں دیہات سے شہر کی طرف ہجرت اب کسانوں کا معمول بن گیا ہے۔

ڈبلیو ٹی او کے زرعی معاہدے (اے او اے) میں موجود گرین ❻ اور بلیو باکس ? میں ترقی یافتہ ممالک کو دی گئی مراعات کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ ترقی پزیر ممالک میں زرعی اشیاء کی ''ڈمپنگ'' ❷ کو فروغ حاصل ہو رہا ہے اور دوسرا یہ کہ ترقی پزیر ملکوں کی اشیاء کی مقامی اور عالمی منڈیوں تک رسائی تقریباً ناممکن ہوتی جارہی ہے۔

خیال کیا جارہا تھا کہ دوہا وزارتی اجلاس کے بعد زراعت کے شعبوں میں تیسری دنیا کے کسانوں کو مراعات اور آسانیاں دی جائیں گی۔ دوہا اعلامیہ ❤ کے مطابق ترقی پزیر ممالک کو زراعت کے حوالے سے ترقی یافتہ ممالک کی طرف سے کیے گئے وعدے کے مطابق نہ تو سہولتیں فراہم کی گئی ہیں اور نہ ہی آسانیاں فراہم کرنے پر کوئی رضامندی نظر آتی ہے۔

ڈبلیو ٹی او کی زرعی کمیٹی کے چیئرمین ہاربنسن نے عالمی زراعت کے لیے حکمت عملی طے کرتے ہوئے ایک زرعی مسودہ پیش کیا ہے جو کین کون وزارتی اجلاس میں زیر بحث آئے گا۔ اس مسودے میں بھی تجویز کردہ زرعی اصلاحات ترقی پزیر ممالک کو فائدہ پہنچانے کے قابل نہیں ہیں۔ ایک طرف ان تجاویز میں ترقی پزیر ممالک کی عالمی منڈی تک رسائی اور مقامی کسانوں کے لیے مراعات جیسے اہم شعبوں پر کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تو دوسری طرف ترقی یافتہ ممالک کے لیے ڈمپنگ پر پابندی کا ذکر تک

---

❻ گرین باکس: میں کہا گیا ہے کہ رکن ممالک اپنے کسانوں کو براہ راست نقد رقم فراہم کرسکتے ہیں کیونکہ اس سے زراعت کی تجارت متاثر نہیں ہوتی۔

? بلیو باکس: میں پیش کی گئی شرائط کے مطابق مقررہ زمین یا مال مویشی کے لیے کسانوں کو حکومت کی طرف سے نقد رقم فراہم کی جاسکتی ہے۔ کسانوں کو اپنی زمین پر کسی فصل کی کاشت روکنے کے لیے بھی نقد رقم فراہم کی جاسکتی ہے۔ ان مراعات کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ بھی تجارت کو متاثر نہیں کرتیں۔

❷ ڈمپنگ: ایسی مصنوعات جو کسی ملک میں وہاں کے مقامی منڈی میں رائج قیمتوں سے کم یا پھر اس کی پیداواری لاگت سے بھی کم قیمت پر فروخت کی جائیں، ڈمپنگ کے زمرے میں آتی ہیں۔ ڈمپنگ کا بنیادی مقصد مقامی منڈی پر غیر ملکی کمپنیوں یا اداروں کا قبضہ ہے اور نتیجہ معاشی تباہی ہے۔

❤ دوہا اعلامیہ: دوہا، قطر وزارتی اجلاس ۲۰۰۱ کے اختتام پر تیار کردہ مسودہ

کرنا گوارا نہیں کیا گیا۔ مراعات کی صورت میں نقد رقم کی فراہمی بھی آزاد تجارت کی راہ میں حائل رکاوٹوں میں شامل نہیں ہے جو کہ ترقی یافتہ ممالک اپنے بے پناہ وسائل کی بناء پر اپنے کسانوں کو فراہم کرتے ہیں۔

ترقی یافتہ ممالک کے آپس کے اختلافات اور دہری پالیسیاں

رکن ممالک کے درمیان اختلافات ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ترقی یافتہ ممالک کے درمیان آپس میں بھی کئی موضوعات پر شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ امریکہ اور یورپ کے درمیان جینیاتی اجناس کے مسئلہ پر اختلافات روز بہ روز بڑھتے جا رہے ہیں۔ امریکہ کا کہنا ہے کہ اس کی جینیاتی فصلوں کی پیداوار پر یورپ میں فروخت پر پابندی آزاد تجارت کی راہ میں رکاوٹ ہے اور ڈبلیو ٹی او کو اس حوالے سے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ معاملہ کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ نے یورپ میں جینیاتی فصلوں پر پابندی کے خلاف ڈبلیو ٹی او میں دائر درخواست پر ساتھ نہ دینے پر اپنے دوست ملک مصر سے آزاد علاقائی تجارتی مذاکرات منقطع کر دیے ہیں۔[۱]

ادھر حال ہی میں یورپی یونین نے مشترکہ زرعی پالیسی (سی اے پی) کے تحت کسانوں کو دی جانے والی خطیر مراعات کے پرانی روایت کو "انتہائی حد" تک کم کرتے ہوئے "صرف" ۴۶ء۶ بلین امریکی ڈالر تک محدود کرنے کا اعلان کیا ہے۔ یورپ زرعی شعبے کو سالانہ ۱۱۵ بلین امریکی ڈالر تک مراعات فراہم کیا کرتا تھا جو کہ یورپی یونین کے سالانہ بجٹ کا نصف تھا۔ سی اے پی کا آغاز یورپ میں دوسری جنگ عظیم کے بعد غذائی قلت سے پیدا ہونے والی صورتحال سے نمٹنے کے لیے کیا گیا تھا۔ یہ پالیسی مندرجہ ذیل بنیادی مقاصد پر مبنی ہے:

(۱) زرعی پیداوار میں اضافہ
(۲) کسانوں کے لیے بہتر طرز زندگی
(۳) غذا کی مستقل فراہمی
(۴) صارفین کے لیے مناسب قیمت

یورپی یونین نے امریکہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ بھی یورپی یونین کی تقلید کرتے ہوئے اپنے زرعی شعبہ کو دی جانے والی مراعات میں کمی کرے۔ امریکہ نے پچھلے ۱۰ سالوں کے دوران زرعی مراعات میں ۷۳ء۵ فیصد اضافہ کیا ہے۔[۲] یورپی یونین اور امریکہ کی زرعی اقدامات سے ان کی دہری پالیسیاں واضح نظر آتی ہیں۔ ایک طرف یہ ممالک اپنی سرمایہ دار بین الاقوامی کمپنیوں کو مختلف طریقوں سے فائدہ پہنچا کر اپنے لیے بے تحاشہ منافع جمع کرتے ہیں اور دوسری طرف ترقی پذیر ممالک کے وسائل پر قابض رہنے کے لیے نت نئے قانون وضع کرتے ہوئے ان ممالک اور ان کی عوام کو مستقل اپنا مقروض اور تابع رکھنا چاہتے ہیں۔

بین الاقوامی کاروباری اداروں کی جانب سے امریکہ اور یورپ کے درمیان مصالحت کی کوششیں

ایک طرف امریکہ اور یورپی یونین کے درمیان رسہ کشی جاری ہے اور دوسری طرف امریکی اور یورپی یونین کے بڑے بڑے کاروباری اداروں کی اعلیٰ شخصیات پر مشتمل دو انتہائی موثر کاروباری اور معاملہ کار ادارے یورپین راؤنڈ ٹیبل اور بزنس راؤنڈ ٹیبل نے ایک مشترکہ خط میں اپنی اپنی حکومتوں پر زور دیا ہے کہ عالمی تجارت کی بات چیت کو آگے بڑھانے کے لیے مل کر اقدامات کریں۔ خط میں مزید کہا گیا ہے کہ "ہمیں خدشہ ہے کہ اگر امریکہ اور یورپ کین کون وزارتی اجلاس کی طرف اپنے مشترکہ لگن کا مظاہرہ نہ کر سکے تو بامعنی پیش رفت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔"[۳] دوسرے الفاظ میں اگر ڈبلیو ٹی او مذاکرات کامیاب نہ ہوئے تو دنیا کے مختلف خطوں پر ان اداروں اور کمپنیوں کا قبضہ کمزور پڑ جائے گا۔

عوامی ردعمل

ڈبلیو ٹی او کے رکن ممالک کو اپنی ہمنوائی پر راضی کرنے کے لیے امریکی حکومت نے ۲۳ تا ۲۵ جون کو امریکی شہر سیکرامینٹو میں سو سے زائد ممالک کے لیے "وزارتی اجلاس اور ایکسپو برائے زراعت، سائنس اور ٹیکنالوجی" کا اہتمام کیا۔ بش سرکار کے زیر سایہ منعقد ہونے والے اس اجلاس کا مقصد آزاد تجارت کے پھیلاؤ کے ذریعے کاروباری عالمگیریت اور جینیاتی طریقہ زراعت کو دنیا بھر میں مسلط کرنا تھا۔[۴]

کانفرنس کے موقع پر عوامی حلقوں کی جانب سے شدید ردعمل دیکھنے میں آیا۔ ہزاروں مظاہرین نے خوراک پر امریکی قبضے کی پالیسی کے خلاف احتجاج کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس اجلاس کا مقصد خوراک اور زراعت میں امریکی کمپنیوں کے کردار کو بڑھا کر خوراک کی حق خود ارادیت، ماحولیات اور جمہوریت کا گلا گھونٹنا ہے۔

مظاہرین کا موقف تھا کہ امریکہ کا یہ دعویٰ کہ اس کانفرنس میں غربت اور بھوک کے مسائل کو زیر بحث لایا گیا، سراسر جھوٹ ہے۔ امریکہ خوراک کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے تاکہ غریب ملکوں میں غذا کی فراہمی کے حوالے سے اپنی مرضی کے مطابق کاروباری تسلط کو برقرار رکھ سکے۔[۵]

دنیا بھر کی سماجی تنظیموں کی جانب سے مظاہروں اور تجاویز کا سلسلہ جاری ہے۔ یورپی سماجی تنظیموں نے حال ہی میں ایک دستخطی مہم کا آغاز کیا ہے جس میں یورپی یونین سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ یورپی یونین ڈبلیو ٹی او مذاکرات میں نئے شعبوں کی شمولیت کی حمایت کی پالیسی کو ترک کر دے۔ خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ نئے شعبوں کی شمولیت سے بین الاقوامی کمپنیوں کو مزید تقویت اور حقوق حاصل ہو جائیں گے۔ ان حقوق کی وجہ سے مقامی حکومتوں کو ماحول اور شہریوں کے لیے حفاظتی قوانین تشکیل اور نافذ کرنے میں رکاوٹ پیش آ سکتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کی جانب سے چار نئے شعبے

جن کو کین کون وزارتی اجلاس کے موقع پر ڈبلیو ٹی او میں شامل کرنے پر زور دیا جا رہا ہے، درج ذیل ہیں:

۱۔ رکن ممالک کے درمیان سرمایہ کاری۔

۲۔ حکومتوں کی طرف سے واضح اور شفاف خرید و فروخت۔

۳۔ مقابلہ کے لیے لائحہ عمل۔

۴۔ تجارتی سہولیات۔

ڈبلیو ٹی او اور اس کی خطرناک حکمت عملیوں کے خلاف سینکڑوں کسانوں نے اسلام آباد، پاکستان میں مظاہرہ کیا۔ مظاہرین نے ڈبلیو ٹی او کو بین الاقوامی کمپنیوں کا ایجنڈا قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے روز مرہ کے معاملات جنیوا میں کیوں زیر بحث لائے جاتے ہیں؟ کسانوں کے مطابق ''ترقی یافتہ ممالک ہمارے ہاتھ باندھنے کی کوشش کر رہے ہیں جبکہ دوسری طرف اپنے کسانوں کے لیے بھاری مراعات کا انتظام جاری رکھا ہوا ہے۔''

مزدور کسان تنظیموں کے رہنماؤں نے خیال ظاہر کیا کہ ڈبلیو ٹی او کا قیام ترقی یافتہ ممالک کی تیار کردہ سازش ہے جس کے ذریعہ ترقی پزیر ممالک کو غلام بنایا جا رہا ہے۔[۶]

سماجی گروہوں سے مشاورت: ایک چال

ڈبلیو ٹی او پر ایک عام تنقید یہ کی جاتی ہے کہ یہ عوام اور عوامی تنظیموں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف حکومتوں سے معاملات طے کرتا ہے۔ ان اعتراضات کے اثرات کو زائل کرنے کی خاطر ڈبلیو ٹی او کے سربراہ ڈاکٹر سوپا چھی نے حال ہی میں غیر سرکاری تنظیموں (این جی اوز)، مزدور تنظیموں اور کاروباری افراد کے ساتھ مل کر ایک نئی مشاورتی کمیٹی تشکیل دی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سے ڈبلیو ٹی او کے معاملات شفاف ہوں گے اور پیچیدہ مسائل کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ یہ غیر رسمی کمیٹی کنزیومر یونٹی ٹرسٹ سوسائٹی، دی انٹرنیشنل فیڈریشن آف ایگریکلچرل پروڈیوسرز، ورلڈ وائیڈ فنڈ فار نیچر انٹرنیشنل، تھرڈ ورلڈ نیٹ ورک، کرسچن ایڈ، آئی سی ایف ٹی یو، پبلک سروس انٹرنیشنل، دی انٹرنیشنل سینٹر فار ٹریڈ اینڈ سسٹینبل ڈیولپمنٹ اور انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ فار سسٹینبل ڈیولپمنٹ پر مشتمل ہے۔

مشاورتی کمیٹی میں شمولیت کی دعوت ڈبلیو ٹی او کے سربراہ نے اپنی ذاتی حیثیت میں دی ہے۔ ڈبلیو ٹی او کے اس اقدام سے، جس میں نام نہاد سول سوسائٹی کی شمولیت کو خوش آمدید کہا ہے، سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ڈبلیو ٹی او ایک جمہوریت پسند، شفاف اور جوابدہ ادارہ ہے، جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

سرمایہ داری مخالف تحریک کے سرگرم کارکن اور تنقید نگار عزیز چودھری اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''مجھے تجسس ہے کہ ان اداروں نے مجوزہ کمیٹی میں شمولیت کس بنیاد پر کی؟ یہ ادارے کن لوگوں کی نمائندگی کرتے ہیں اور کس کو جوابدہ ہیں؟ یہ ادارے کس حوالے سے اس مشاورتی کمیٹی میں شمولیت کی دعوے دار ہیں۔''[۷]

مختلف این جی اوز کی مذکورہ باڈی میں شمولیت پر آمادگی سے این جی اوز کے حوالے سے منسوب یہ الزام کہ ان اداروں کا عوام کے حقیقی مسائل اور ان کے حقیقی وجوہات کی تلاش سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، بلکہ این جی اوز کا کردار اصلاح پسندانہ ہوتا ہے یا پھر مسائل کا سطحی تجزیہ کرتے ہوئے عام آبادیوں کے لیے بے سود سرگرمیوں میں مصروف ہیں، اہم بن جاتا ہے۔

یہ واضح ہے کہ ناصرف ڈبلیو ٹی او بلکہ سرمایہ دارانہ نظام میں صرف اس نقطہ نظر کی جگہ ہے جو اس نظام پر تنقید کرتے ہوئے اس کی اصلاح تو چاہتے ہیں مگر سرمایہ داری کا خاتمہ ان کا منشور نہیں۔ ایسے گروہوں کی شمولیت سے ڈبلیو ٹی او یا کسی اور سرمایہ دار ادارے کو کوئی خطرہ نہیں۔ بلکہ یہ ان کے وجود کو مزید مستحکم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یقیناً ان اقدامات کا مقصد سرمایہ داری نظام کے خلاف احتجاجی گروہوں کے جوش و جذبے کو کم کرنا اور اس نظام کو جمہوریت پسند ظاہر کرنا ہے۔

انقلاب ایسے ہتھکنڈوں سے رکنے والا نہیں!

حوالہ جات

۱۔ ایلڈن، ایڈورڈ، ''یو ایس ریٹالیئشن ایگینسٹ ایجپٹ ہٹس ٹریڈ پلانز''، فائنشیل ٹائمز ویب سائیٹ ۲۹، جون ۲۰۰۳۔

۲۔ http://www.eurac@ctiv.com/cgi-bin/cgint.exe یورو ایکٹیو، ۲۷، جون ۲۰۰۳۔

۳۔ اسٹیون، کارپوریٹ یورپ آبزرویٹری، ۲۳، جون ۲۰۰۳۔

۴۔ http://www.usda.gov/news/releases/2003/06/0232.htm ۲۷، جون ۲۰۰۳۔

۵۔ www.sacmoblization.org ۲۳، جون ۲۰۰۳۔

۶۔ ڈان، ۲۵، جولائی ۲۰۰۳۔

۷۔ عزیز چودھری؛ زی نیٹ کمنٹری، ۲۹، جون ۲۰۰۳۔

مزدور کسان کا عالمی دن: کیوں آپ کے آقاؤں میں اور ہم میں ٹھنی ہے...

عنایت اللہ سہتو

۱۷ اپریل ہاریوں کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس دن کی مناسبت سے ٹاؤن ہال ٹنڈو محمد خان میں ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں ٹنڈو محمد خان شہر اور اس کے قرب وجوار میں واقع دیہات سے عورت اور مرد مزدور کسان شریک ہوئے۔ پروگرام کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ پہلے حصہ میں مقررین نے دیہی آبادی اور زراعت سے منسوب سیاسی، معاشی اور سماجی موضوعات پر اظہار خیال کیا، بعد ازاں عوام کی معلومات اور آگہی میں اضافے کے لیے مختلف موضوعات پر لگائے گئے اسٹالز شرکاء کو دکھائے گئے۔

ملکی اور بین الاقوامی منظر نامے پر رونما ہونے والی تبدیلیوں کے پیش نظر کسانوں کا عالمی دن اس سال کئی حوالوں سے اہمیت کا حامل تھا۔ ان میں حکومت کی زرعی پالیسیاں خاص کر کارپوریٹ فارمنگ، عالمی مالیاتی وتجارتی اداروں کا زراعت کے شعبے میں بڑھتا ہوا عمل دخل، عراق پر امریکی حملہ اور تیل کے ذخائر پر قبضہ اور نئی آزاد معاشی پالیسیوں کی آڑ میں بین الاقوامی زرعی وکیمیائی کمپنیوں کے اثرات انتہائی اہم گردانے جاتے ہیں۔

مقررین نے آزاد تجارت کا مزدور کسان اور دیہی آبادی پر بڑھتے ہوئے منفی اثرات، دور جدید میں دیہی عورتوں کے مسائل اور ہاری دشمن زرعی پالیسیوں پر تقاریر کیں۔

ایک مزدور کسان نے جاگیرداری نظام میں مزدور کسان کے استحصال کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جدید زرعی طریقوں کی وجہ سے کسان کی صحت اور جیب دونوں پر بوجھ بڑھ گیا ہے۔ بظاہر زمیندار ہاری کے ساتھ پیداواری لاگت میں آدھے کا حصہ دار ہے لیکن ہاری کے پاس نقد آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے، اپنے حصے کی پیداواری لاگت کے لیے بھی زمیندار سے قرضہ لینے پر مجبور ہے۔ زمیندار کسان کو اصلی لاگت سے کم از کم ۲۰ فیصد زیادہ قیمت پر بیج، کھاد دیگر اشیاء قرضے کے طور پر دیتا ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کی وجہ سے زمیندار بڑھتی ہوئی پیداواری لاگت کا بوجھ ہاری پر ڈالنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ نتیجتاً سال کے آخر میں فصل کٹنے اور زمیندار کا حصہ واپس کرنے کے بعد منافع تو دور کی بات ہاری کو اپنی محنت کا صلہ بھی نہیں ملتا اور یوں قرض کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

مقرر کا کہنا تھا کہ زمینداروں نے کسانوں کی بے بسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بٹائی کا روایتی نظام ختم کر ڈالا ہے اور اب کسانوں کو چوتھائی حصہ دینے کی بات کی جاتی ہے۔ اس سے کسانوں کی محنت اور استحصال میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ وہ دن رات محنت کر کے منڈی کے لیے فصل اگاتے ہیں لیکن اپنا اور گھرانے کا پیٹ پیاز اور ہری مرچ کی چٹنی سے بھرتے ہیں۔ گاؤں میں مزدوری نہیں ہے، سارا کنبہ مل کر کام کرتا ہے تو بمشکل ۱۰۰ سے ۲۰۰ روپے آمدنی ہوتی ہے۔ پیسوں کی بروقت ادائیگی زمیندار کی مرضی پر منحصر ہے۔ عام طور پر کام کی اجرت فصل فروخت ہونے کے بعد ہی ادا کی جاتی ہے۔

دور جدید میں دیہی عورت کے جاگیرداری، سرمایہ داری اور پدرشاہی نظام کے ہاتھوں تہرے استحصال کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے ایک مقررہ نے کہا کہ ۲۱ویں صدی جدید ٹیکنالوجی کی صدی کہلاتی ہے لیکن اس دور جدید میں بھی دیہاتوں اور شہر کی کچی آبادیوں میں رہنے والی عورت کو پینے کا صاف پانی، متوازن غذا اور صحت جیسے بنیادی حقوق حاصل نہیں بلکہ اس نام نہاد ترقی اور جدیدیت کے باعث پیدا ہونے والی تبدیلیوں سے بھی عورت ہی سب سے زیادہ متاثر ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آج کی عورت تشدد اور کاروکاری جیسی بے رحم رسموں کا بھی شکار ہے۔

عالمی مالیاتی وتجارتی اداروں کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک مقرر نے کہا کہ اس وقت سامراجی قوتیں مختلف اداروں کے ذریعہ عالمی قوانین بنا کر پوری دنیا کے وسائل کو اپنے قبضے میں لینا چاہتی ہیں۔ ان اداروں میں ڈبلیو ٹی او ایک اہم عالمی تجارتی ادارہ ہے جس میں ذہنی ملکیت (ٹرپس) اور عالمی زرعی معاہدے (اے او اے) جیسے عوام دشمن معاہدے شامل ہیں۔ ان معاہدوں کا مقصد زراعت جیسے اہم شعبے میں، جو کہ عوام کی غذائی ضروریات پورا کرنے کا ذمہ دار ہے، آزاد تجارت کو فروغ دینا اور مقامی وسائل پر بین الاقوامی کمپنیوں کے قبضے کو یقینی بنانا کرنا ہے۔ اس موقع پر بتایا گیا کہ آزاد تجارت کے تحت اناج صرف منڈی کے لیے اگایا جاتا ہے جس سے مزدور کسان کے لیے اناج اگانے کے مواقع کم سے کم ہوتے جا رہے ہیں۔

کارپوریٹ فارمنگ آرڈیننس پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا گیا کہ اس آرڈیننس کے تحت بین الاقوامی کمپنیوں کو پٹے پر زمین ۵۰ سال اور مزید اضافے کے ساتھ کل ۹۹ سال تک دی جا سکتی ہے۔ اس کام کے لیے سرکاری زمینوں کی نشاندہی کر لی گئی ہے۔ کمپنیوں کو قرضہ اور ٹیکسوں کی چھوٹ کی سہولت بھی فراہم کی جائے گی۔ حکومت نے کارپوریٹ فارمنگ کے لیے زمین کی منتقلی کا طریقہ کار نہ صرف آسان بنایا ہے بلکہ اس پر عائد ٹیکس کا بھی خاتمہ کر دیا ہے۔ عالمی سرمایہ دارانہ نظام اور اس کو مستحکم کرنے والے ادارے مثلاً اقوام متحدہ، آئی ایم ایف، ورلڈ بینک، جی-۸ کے ممالک اور ان کی فوجی قوت کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا کہ ایک طرف یہ طاقتیں من مانی آزاد تجارتی قوانین سے تیسری دنیا کی زرعی معیشت سے منافع کما رہی ہیں اور دوسری طرف فوجی قوت کے ذریعے دنیا کے وسائل پر قبضہ کر رہی ہیں، جس کی تازہ ترین مثال عراقی تیل کے کنوؤں پر امریکی قبضہ ہے۔ نتیجہ میں عوام شدت کے ساتھ بھوک وافلاس اور مظالم کا شکار ہو رہی ہے۔ مزدور کسان پر بڑھتے ہوئے جبر کے خلاف شدید مزاحمت

اور یکجا ہو کر جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام سے چھٹکارے کے لیے منظم جدوجہد پر زور دیا گیا۔

پروگرام کے دوسرے حصے میں شرکاء کو لگائے گئے اسٹالوں کا دورہ کرایا گیا۔ سب سے پہلا اسٹال ''سامراجی جنگ'' کے موضوع پر تھا جس میں تصاویر کے ذریعے عراق پر امریکی حملے کے پس منظر میں امریکی سامراجیت کے مظالم اور تباہی، عراقی عوام کا قتل عام اور سامراجی قوتوں کے خلاف بڑھتے ہوئے عوامی مظاہرے دکھائے گئے تھے۔

امریکہ کی جنگی جنون کے پیچھے آزاد تجارت کا مقصد واضح کرنے کے لیے ایک بڑا پوسٹر بھی آویزاں کیا گیا تھا جس میں دکھایا گیا تھا کہ آزاد تجارت اور سامراجی جنگ دونوں کا مقصد دولت اور منافع جمع کرنا ہے جس میں عوام کے لیے تباہی اور بھوک و افلاس کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس پوسٹر پر ''جنگ اور ڈبلیو ٹی او نامنظور''، ''آزاد تجارت = ڈبلیو ٹی او = خوراک کی حق خودارادیت کی تباہی'' اور ''جنگ سرمایہ داری کی ضرورت!'' جیسے نعرے لکھے ہوئے تھے۔

دوسرے اسٹال کا موضوع ''جدید کاشتکاری'' یا ''سرمایہ دارانہ طریقہ زراعت'' تھا۔ اس اسٹال میں سرمایہ دارانہ پیداواری طریقوں کے ذریعے کاشتکاری دکھائی گئی تھی جو بے تحاشہ لاگت مانگتی ہے۔ تھریشر، ٹریکٹر اور میکانکی فواروں کے ذریعے فصل کو پانی دینے کے طریقے کار پر تصاویر لگائی گئی تھیں۔ ایسی مشینیں دکھائی گئی تھیں جو کہ کئی ایکڑ پر کاشت کی گئی گندم کی کٹائی کم وقت اور کم افرادی قوت کی مدد سے کرسکتی ہیں۔ دراصل ان تصاویر کے ذریعے واضح کیا گیا تھا کہ جدید کاشتکاری میں کئی سو ایکڑ زمین پر میکانکی طریقے سے آب پاشی اور کاشتکاری کا انتظام کا کیا طریقہ ہے اور مزدور کسان کے لیے اس میں کیا خطرات پنہاں ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی جدید مشینوں کے استعمال سے ہزاروں لاکھوں مزدور کسان کی روزی شدید خطرے سے دوچار ہو جائے گی! اس کے علاوہ نئے طریقہ زراعت سے کیمیائی کھاد، زہریلی کیڑے مار اور پودے مار ادویات کا استعمال مزید بڑھ جائے گا۔ کارپوریٹ فارمنگ کا خاص مقصد جینیاتی فصلوں کی پیداوار کو ملک بھر میں تیزی سے فروغ دینا بھی ہے۔ فصلوں کی جینیاتی طریقہ پیداوار کی سمجھ بوجھ کے لیے خصوصی تصویری نمائش کا اہتمام کیا گیا تھا۔

تیسرے اسٹال پر کیمیائی کھاد اور زہریلی ادویات کے اسپرے سے بچوں اور جانوروں پر پڑنے والے منفی اثرات کی تصویری منظرکشی کی گئی تھی جس میں ایک تحقیق کے دوران حاصل ہونے والی تصاویر بھی شامل تھیں۔

ایک اسٹال میں حق خودارادیت برائے خوراک کے حصول کے لیے ''پائیدار ترقی'' پر تصاویری نمائش میں دیکھایا گیا تھا کہ پائیدار ترقی صرف عوام کی زمین پر ملکیت کے ذریعے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اوکاڑہ، پنجاب میں مزاحمتی تحریک ''مالکی یا موت'' کا خاص تذکرہ تھا جہاں لاکھوں مزدور کسان زمین کی ملکیت کے لیے ریاستی قوتوں کے خلاف جنگجوآنہ جدوجہد کا آغاز کر چکے ہیں۔ یقیناً سامراجی و ریاستی قوتوں کے خلاف مزاحمت کے بغیر پائیدار ترقی یعنی عوامی خودمختیاری ممکن ہی نہیں!

ایک اسٹال دیسی، مقامی اور بین الاقوامی کمپنیوں کی تیار کردہ اشیاء کے موضوع پر تھا۔ بین الاقوامی کمپنیوں کے اشتہاری مہم بازی کی وجہ سے ان کی تیار کردہ اشیاء کی منڈی دن بہ دن وسیع ہوتی جارہی ہے جس سے دیسی اور مقامی اشیاء کا استعمال متاثر ہورہا ہے۔ نتیجتاً عوام کی صحت اور بیروزگاری کے ساتھ ساتھ ملکی سرمائے پر سامراجی طاقتوں کی گرفت بڑھتی جارہی ہے۔

اس اسٹال کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ سرمایہ دار اپنے منافع کے حصول کے لیے کون کون سے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے۔ یہ کمپنیاں اپنے وسائل سے عوام کو یہ باور کراتی ہیں کہ کمپنی کی مصنوعات کے استعمال سے ان کی زندگی میں آسانی اور بہتری پیدا ہوتی ہے۔ کمپنیاں اپنے اشتہاروں سے یہ ظاہر کرتی ہیں کہ جیسے وہ صرف صارفین کی خیر خواہ ہیں اور ان کی مصنوعات کا مقصد صارفین کی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔

یہ کمپنیاں اپنے اشتہاری مہم بازی سے لوگوں میں یہ احساس پیدا کرتی ہیں کہ چمکتی دمکتی اشیاء کے استعمال سے صارفین کی اعلیٰ ذوقی کا مظاہرہ ہوتا ہے اور ان میں احساس برتری کے جذبات بیدار کیے جاتے ہیں۔ اشتہارات سے عوام میں خواہشات کا ابھرنا، ناکافی قوت خرید کی وجہ سے مصنوعات نہ حاصل کرپانا اور پھر شدید احساس کمتری جیسے احساسات سے دوچار ہونے والے اثرات ان منافع خور کمپنیوں کا مسئلہ نہیں!

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کمپنیوں کا بنیادی مقصد صرف صارفین سے منافع کمانا ہے۔ کمپنیوں کے اشتہاروں میں پائی جانے والی غلط بیانی نا صرف عوام کو غیر ضروری اشیاء خریدنے پر مجبور کرتی ہے بلکہ ان کی تیار کردہ کئی اشیاء ایسی ہیں جو کہ عوام کی صحت کے لیے نہایت مضر ہیں مثلاً کیڑے مار ادویات، بچوں کے لیے پاؤڈر دودھ اور کوکا کولا، پیپسی اور دیگر اشیاء۔ کمپنی کی مصنوعات سے پیدا ہونے والے کچرے سے ماحولیاتی آلودگی ایک اور سنگین مسئلہ ہے۔ ذرائع ابلاغ پر سرمایہ داری نظام کے تحت بین الاقوامی کمپنیوں کا مکمل قبضہ ہونے کی وجہ عوام کو ان سارے مسائل سے بے خبر رکھنا قدرِ آسان ہوگیا ہے۔

پروگرام کے آخر میں پیسٹی سائیڈ ایکشن نیٹ ورک نارتھ امریکہ کا شائع کردہ حقائق نامہ، جو کہ دنیا کے ۶ بڑی بین الاقوامی زرعی کیمیائی کمپنیوں، بائر، سنجنٹا، ڈاؤ کیمیکل، مونسانٹو اور ڈوپونٹ کے متعلق ہے، کا اردو ترجمہ شدہ کتابچہ ''سوداگر ہیں زہر کے'' کی رونمائی کی گئی۔ اس کتابچہ میں مذکورہ بالا کمپنیوں کی غیر قانونی اور عوام دشمن کارکردگی کے کئی واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ تشویش کی بات یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر واقعات ترقی یافتہ ممالک میں پیش آئے۔ اگر یہ کمپنیاں ان ممالک کے سخت قوانین کے باوجود اپنی غیر اخلاقی روش پر قائم ہیں تو ہمارے ملک میں ان کا کردار کیا ہوگا؟

سامراجیت، آزاد تجارت اور قحط☆

تلخیص و ترجمہ: عذرا طلعت سعید

ایڈیٹر نوٹ: چیلنج کے پچھلے شمارے میں مائیک ڈیوس کی کتاب ''لیٹ وکٹورین ہولوکاسٹس: النینو فیمینز اینڈ دی میکنگ آف دی تھرڈ ورلڈ'' کے دیباچہ، نوٹ برائے وضاحت اور پہلے باب کے کچھ حصوں کا ترجمہ پیش کیا گیا تھا۔ موجودہ شمارے میں دوسرے باب کے کچھ حصوں کا ترجمہ حاضر ہے۔ مائیک ڈیوس نے ۱۹ویں صدی کے آخر میں آنے والے قحط کو سامراجی قوتوں کی سرمایہ دارانہ پالیسیوں سے جوڑ کر واضح کیا ہے کہ بھوک، قحط اور بیماری، موسمی بدحالی سے زیادہ سرمایہ داری نظام سے جڑے ہوئے ہیں۔ خوراک ایک بنیادی انسانی حق ہے اور ڈیوس کی تحقیق کھل کر واضح کرتی ہے کہ ہر علاقے کے باسیوں کو اپنی خوراک کی ضروریات کی حفاظت کے لیے حق خود ارادیت حاصل ہونی چاہیے۔ یقیناً زراعت کو سرمایہ داری نظام کے حوالے کرنے کا نتیجہ تباہ کاری ہے۔

۱۸۷۶ میں برطانوی راج کی تجارتی پالیسیوں اور شدید خشک سالی کے نتیجے میں آنے والا قحط صرف ہندوستان تک محدود نہیں رہا۔ ۱۸۷۶-۱۸۷۸ کے دورانیہ میں سیلون (سری لنکا)، چین، کوریا، جاوا، بورنیو، مصر، الجیریا، مراکش اور برازیل تک سے خشک سالی، بھوک اور ہیضہ سے پیدا ہونے والی شدید تباہ کاریوں کی خبریں آنے لگیں۔[1]

عالمی سطح پر کاروباری مندی کی وجہ سے خشک سالی کے اثرات مزید سنگین ہوگئے۔ امریکہ میں ریل گاڑی کی صنعت سے جڑی ہوئی سٹے بازی میں بحران پیدا ہوا اور اس طرح وال اسٹریٹ میں نام نہاد سرمائے کے خاتمے سے مانچسٹر کاٹن ایکسچینج کی قیمتوں میں شدید کمی اور کئی صنعتی مراکز میں بے روزگاری بڑھی۔ نتیجتاً عالمی تجارت پر منفی اثرات پڑے اور خاص کر قیمتوں میں کمی واقع ہوئی۔[2] دنیا بھر کے شہروں میں مدارینی خطوں (ٹراپیکل) اور نو آبادیات سے آنے والی چیدہ چیدہ اشیاء کی مانگ میں کمی واقع ہوئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ زرعی اشیاء کے برآمدات میں بھی اضافہ ہوا کیونکہ ریل گاڑی کے نظام کے پھیلاؤ سے امریکہ اور روس میں زرعی پیداواری علاقوں تک رسائی بڑھ گئی۔ مزید یہ کہ نہر سویز کے بننے سے یورپ اور ایشیاء کے درمیان فاصلہ بہت کم ہوگیا اور عالمی تجارت کو مزید فروغ حاصل ہوا۔ ان سارے عوامل کے مجموعی اثر سے منڈیوں میں زرعی اشیاء کا مقابلہ سخت ہوگیا اور زرعی آمدنی میں شدید کمی واقع ہوئی۔ عالمی منڈی میں کپاس، چاول، تمباکو اور چینی کی قیمت اپنی پیداواری لاگت کی حد تک گر گئی اور کئی جگہوں پر تو اس سے بھی کم ہوگئی۔[3]

اوپر بیان کیے گئے حالات کی بناء پر کئی کروڑ کسان، جو حال ہی میں عالمی منڈی کے جال میں پھنسے تھے، دور دراز رونما ہونے والے معاشی بحران کا نشانہ بنے۔ اس کی اہم وجہ یہ تھی کہ ان علاقوں میں روایتی کھیتی باڑی کسان آبادیوں کے روزمرہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کی جاتی تھی۔ ان آبادیوں میں جب سامراجی طاقتوں کے دباؤ پر روایتی کھیتی باڑی سے ہٹ کر عالمی منڈی کے لیے پیداوار شروع کی گئی تو عالمی معیشت میں بحران کے ہاتھوں کسان اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے۔ اس بحران کی زد میں مغربی ہندوستان، مصر، الجیریا، برازیل، فیجی اور آسٹریلیا کے علاقے بھی شامل تھے۔ ان علاقوں میں امریکی خانہ جنگی کی وجہ سے کپاس کی پیداوار وسیع پیمانے پر ہوتی رہی اور کافی فائدہ ہوا، لیکن اس دورانیہ میں کسان روایتی کھیتی باڑی سے دور ہو چکے تھے۔ خانہ جنگی کے خاتمہ کے بعد امریکہ میں کپاس کی پیداوار دوبارہ شروع ہونے سے دنیا بھر میں لاکھوں چھوٹے کسانوں کو قرضے اور غربت کا سامنا کرنا پڑا۔[4]

برازیل، فلپائن اور ایسٹ انڈیا میں گنے کے کاشتکار چینی کی گرتی ہوئی قیمتوں اور یورپ میں چقندر (جو کہ چینی بنانے کا ایک اور ذریعہ ہے) کی کاشت کی وجہ سے عالمی منڈی میں سخت مشکلات کا سامنا کر رہے تھے۔ اسی طرح چین میں چائے کاشت کرنے والے کسانوں کو آسام اور سیلون (سری لنکا) سے آنے والی چائے اور جاپان سے آنے والے ریشم سے مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ ان سب تبدیلیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۸۷۵ کے آنے تک عالمی سطح پر زرعی آبادیوں میں بڑے پیمانے پر بے اطمنانی اور یلغار شروع ہو چکی تھی۔

چین میں ۱۸۷۶ سے ہی خشک سالی کے سنگین نتائج نظر آنے لگے تھے۔ شین ڈونگ، چین میں ۱۸۷۶ سے پہلے ہی شدید خشک سالی تھی۔ مزدور کسان گھاس اور ٹہنیوں سے بنے ہوئے اپنے ہی گھر اکھاڑ کر کھانے پر مجبور ہوگئے تھے۔ حالات کی سنگینی اس قدر تھی کہ تن سے کپڑے اور بچوں کو بھی بیچا گیا۔[5]

خشک سالی کے آغاز میں چینی اشرافیہ کو نشانہ بنانے والی کئی مزاحمتیں منظر عام پر آئیں۔ مزدور کسان عورتوں نے مل کر کئی بے ایمان مجسٹریٹ اور لالچی اشرافیہ کے خلاف مزاحمتی اقدامات اٹھائے۔ مثلاً عورتوں کے گروہ نے دولت مند افراد کے باورچی خانوں میں گھس کر کھانا پکا کر کھایا اور پھر اگلے کھانے کا انتظام کرنے کے لیے کسی اور کے گھر کا رخ کیا۔ ایک دوسرے علاقے میں ۱۰۰ عورتوں نے باورچی خانے سے گوشت کاٹنے والے چاقو اور سبزی کاٹنے کے تختے لیکر مجسٹریٹ کے دفتر کے سامنے دھرنا دیا۔ جب مجسٹریٹ باہر آیا تو ایک عورت نے بلند آواز میں کہا ''وہ مجسٹریٹ جو غریبوں کا پیسہ کھاتا ہے، جب کہ لوگ قحط سے مر رہے ہیں، اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے چاہیے۔'' ساری عورتوں نے اس عورت کے ساتھ مل کر اپنے اپنے تختوں پر چاقو سے کاٹنے کا مظاہرہ کرتے ہوئے مل کر نعرہ لگایا ''جو غریبوں کا پیسہ ہڑپ کرتا ہے، اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے چاہیے۔''[6]

اس طرح کی جنگجو مزاحمتیں خشک سالی کے آغاز میں ہی نظر آئیں۔ جوں جوں خشک سالی بڑھتی گئی، ضلع شین ڈونگ کے مکین یا تو قحط کی وجہ سے جان دھو بیٹھے یا پھر علاقہ چھوڑ کر چلے گئے۔ صرف ایک ہی علاقے میں ایک لاکھ سے زائد لوگ ٹھیکیداروں کے ہاتھ فروخت کیے گئے۔ چینی بادشاہت امداد تقسیم کرنے میں ناکام رہی تھی۔ بادشاہ نے زائد آمدنی کو وسطی ایشیاء میں اپنی بادشاہت پھیلانے کے لیے کی گئی جنگوں، ساحلی قلعہ اور اسلحہ سازی میں استعمال کر لیا تھا۔ اوسطاً ایک بڑے ضلع میں ایک سے دو لاکھ جانیں خشک سالی کے نظر ہوئیں اور چھوٹے اضلاع میں بھی کم سے کم ۵۰ سے ۶۰ ہزار افراد جاں بحق ہوئے لیکن سب سے زیادہ اثر شانتی صوبہ پر پڑا جہاں پر ۵۰ لاکھ افراد قحط سے ختم ہو گئے۔

برطانیہ میں چین قحط امدادی فنڈ کے لیے تحریک شروع کی گئی۔ مسیحی تبلیغی کارکنان کے مطابق ''قحط کے لیے امداد مسیحیت پھیلانے کے لیے ایک خدائی طریقہ تھا۔''[۷] برٹش کونسل کا کہنا تھا کہ (چین کے دروازے) کھولنے کے لیے ایک درجن جنگوں سے کہیں زیادہ مفید حربہ بہادر اور انصاف پسند مردوں کا چین میں امدادی چندوں کو بانٹنا ہے۔''[۸]

برازیل میں خشک سالی ہندوستان سے چھ ماہ بعد پہنچی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ برازیل میں خشک سالی کی وجہ جنگلات کا بڑے پیمانے پر خاتمہ تھا جو کہ صرف کپاس کی کاشت کے لیے کیا گیا تھا۔[۹] عالمی بحران کی وجہ سے کپاس کی مانگ میں خاتمہ کا نتیجہ یہ تھا کہ بڑی تعداد میں مزدور کام ڈھونڈنے کے لیے دربدر ہونے لگے۔ بھوک اور قحط کو برازیل کے علاقوں میں روکنے کے لیے اناج کی درآمد کی ضرورت تھی۔

ہندوستان اور برازیل میں قحط سے نمٹنے کے لیے کاروباری بنیاد پر اناج کی فراہمی ناکافی تھی۔ موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ تاجروں نے اناج کی تجارت سے بے تحاشہ منافع اکٹھا کیا لیکن یہ طریقہ اندرونی برازیل میں بھوک مٹانے سے قاصر تھا۔ کچھ اناج جانوروں پر لاد کر اندرون برازیل بھیجا گیا لیکن جانور یا تو مطلوبہ مقام پر پہنچنے سے پہلے ہی مر گئے یا پھر ان کو راستے میں لوٹ لیا گیا۔ جو تھوڑا بہت اناج پہنچ سکا اس کو تاجروں نے منہ مانگی قیمت پر فروخت کیا لیکن صرف دولت مند افراد ہی اس غلہ کو خرید سکے۔ سامراجی حکومت نے اول تو امداد بھیجنے میں کافی تاخیر کی اور جو کچھ بھیجا گیا وہ بہت حد تک ناکافی تھا۔

قحط زدہ علاقوں سے نکل کر لوگوں نے ایسے علاقوں کا رخ کیا جو کہ خشک سالی سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔ ان علاقوں میں انسانوں اور جانوروں کے ہاتھوں کھڑی فصلوں کو شدید نقصان پہنچا۔ نتیجتاً یہاں کے مقامی لوگوں کو بھی کھانے کی شدید کمی سے دوچار ہونا پڑا۔

خشک سالی کے علاقہ سیرہ (Ceara) میں ایک سال کے اندر اندر ۱۵۰,۰۰۰ افراد جاں بحق اور شمال مغربی صوبوں میں بھی کئی دسیوں ہزار لوگ ختم ہو گئے۔ جوں جوں لوگوں نے شہر کا رخ کرنا شروع کیا، شہری اشرافیہ نے خوف کے مارے برطانوی راج کی مثال پر عمل کرتے ہوئے امداد کا آغاز کیا، جو کہ لوگوں کو صرف کام کے عوض دی جاتی تھی۔ ہندوستان کی طرح (برازیل میں بھی) امدادی کیمپوں میں غلاظت کی وجہ سے چیچک کی وبا پھیل گئی۔ ۱۸۷۹ تک سیرہ میں ایک لاکھ افراد ختم ہو چکے تھے۔

جہاں ۱۸۷۷ برازیل کی تاریخ میں خشک سالی جیسے المیہ کے لیے یاد کیا جاتا ہے، وہاں برازیل کے حکمران طبقے کے کچھ حصوں کے لیے ''خشک سالی کی صنعت'' بہت منافع بخش ثابت ہوئی جس کی ایک مثال برطانوی تجارتی کمپنی سنگل ہرسٹ، براکل ہرسٹ ہے۔ قحط کے زمانے میں اس کمپنی نے اپنے پانی کے جہازوں کے ذریعے برازیلی حکومت کو بڑے پیمانے پر مختلف ضروری اشیاء فراہم کیں اور اسی ذریعے سے قحط سے دوچار ہزاروں پناہ گزینوں کو ایمیزون کے علاقے تک پہنچایا جہاں مزدوروں کی شدید قلت تھی۔ اسی طرح سامراجی امداد سے گنے کے کھیتوں کے مالکان کو بہت منافع ہوا۔ یہ امداد خشک سالی سے متاثرین کے لیے کھیتوں پر عارضی کام مہیا کرنے کے لیے دی گئی تھی۔ صوبائی اور مقامی سیاست میں حاوی بڑے بڑے جاگیرداروں کو ہنگامی فنڈز کے لوٹ مار کا کھلا موقع ملا اور پھر یہ سلسلہ کئی سالوں تک جاری رہا۔ نتیجتاً ''خشک سالی کے لیے امداد'' کے طور پر بھیجی گئی ایک کثیر رقم، جس کا مقصد نہر سازی یا پانی کے ذخیروں کی تعمیر تھی، کا کوئی نام و نشان نہیں ملا۔

☆ ڈیویس، مائیک، ''لیٹ وکٹورین ہولوکاسٹس: النینو فیمینز اینڈ دی میکنگ آف دی تھرڈ ورلڈ''، ورسو، ۲۰۰۱۔

حوالہ جات:

۱۔ کے ڈیسلوا، ''ہسٹری آف سری لنکا''، برکلے ۱۹۸۱، صفحہ ۳۰۸۔

۲۔ اریک فونر، ''ریکنٹرکشن: امریکاز ان فنیشٹ ریویولوشن''، ۱۸۶۳–۱۸۷۷، نیو یارک ۱۹۸۸، صفحہ ۵۱۲–۵۱۳۔

۳۔ اریک ہوبس بوم، ''دی ایج آف کیپٹل ۱۸۴۸–۱۸۷۵''، لندن ۱۹۷۵، صفحہ ۴۶۔

۴۔ برتج لال، ڈگ مونگر و اینڈ ایڈورڈ بیچ ہرٹ، ''پلانٹیشن ورکرز: ریزیس ٹنس اینڈ ایکاموڈیشن''، ہونولولو ۱۹۹۳، صفحہ ۳–۴۔

۵۔ ریورینڈ ٹیمیتھی رچرڈ کا حوالہ جو کہ پیش کیا گیا پال بور، ''فیمن ان چائنا اینڈ دی میشنری''، کیمبرج، میساچوسٹس، صفحہ ۱۴۔

۶۔ ریوریند ٹیمیتھی رچرڈ کا حوالہ، صفحہ ۱۱۹۔

۷۔ لیلئن لی، ''انٹروڈکشن: فوڈ، فیمن، اینڈ دی چائنیز اسٹیٹ''، جرنل آف ایشیئن اسٹڈیز، ۴۱: ۴ (اگست ۱۹۸۲)، صفحہ ۷۰۰۔

۸۔ ڈیوڈ آرنلڈ، ''فیمن: سوشل کرائسس اینڈ ہسٹاریکل چینج''، لندن ۱۹۸۸، صفحہ ۱۳۷۔

۹۔ پیئر ڈینس، ''برازیل''، لندن ۱۹۱۱، صفحہ ۳۳۰۔

بات تو سچ ہے مگر ......

ماہی گیر دشمن حکومتی اقدامات

ساحلی علاقوں کی معیشت پر تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ مچھلیوں کو بڑی تعداد میں شکار کیے جانے کے باعث لاکھوں مچھیروں کی روزی تباہی کے دھانے پر ہے۔ ذرائع نے نشاندہی کی ہے کہ مقامی مچھیروں کی مچھلی پکڑنے کی سطح پہلے ہی خطرناک حد تک کم ہو چکی ہے۔ ماہی گیروں کی ایک تنظیم کے مطابق ”حکومت کی برآمدات کے ذریعے زرمبادلہ کمانے کے لیے زیادہ سے زیادہ ساحلی وسائل کو بروئے کار لانے والی پالیسی تباہ کن ثابت ہورہی ہے۔“ حکومت کی گہرے سمندری پانی میں مچھلی پکڑنے کی پالیسی سے اس وقت صرف بین الاقوامی ادارے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ڈان، یکم، اپریل ۲۰۰۳

حکومت سندھ نے ۱۹۸۰ میں سندھ فشریز آرڈیننس کے ذریعے جھینگا اور ریہو کے علاوہ کئی اقسام کی مچھلیوں کے سمندر اور میٹھے پانی میں شکار پر جون اور جولائی کے مہینوں میں پابندی عائد کردی تھی کیونکہ اس دورانیہ میں مچھلیوں میں افزائش نسل ہوتی ہے۔ لیکن اس سال یہ پابندی دو ماہ سے کم کر کے صرف ایک ماہ کردی گئی ہے۔ اس سے قبل حکومت نے گہرے سمندری پانی میں مچھلی کے شکار کے لیے ٹرالرز (بڑی کشتیاں) کو لائسنس جاری کیے جس پر ماہی گیر گروہ اور تنظیموں نے سخت تنقید کی اور اسے سمندری حیات اور ماہی گیر گروہ کی روزی کے لیے تباہ کن قرار دیا۔

۲۷ ملین گوالوں کی روزی خطرے سے دوچار

اس وقت ملک کے دیہات سے تعلق رکھنے والی آبادی کے ۲۷ ملین سے زیادہ افراد کی روزی خطرے سے دوچار ہے۔ یہ لوگ روزی کے لیے دودھ کی پیداوار پر انحصار کرتے ہیں۔ آج کل سستے غیر ملکی دودھ کی درآمد اور مقامی منڈی میں مذکورہ دودھ کی ضرورت سے زیادہ کی موجودگی پائی جاتی ہے۔ ملک میں ۸ بلین روپے کی لاگت سے پاؤڈر دودھ تیار کرنے والے دس پلانٹ لگائے گئے تھے لیکن سستے غیر ملکی دودھ کی درآمد کے باعث دو پلانٹ بند کردیے گئے ہیں، چھ نے اپنی پیداواری صلاحیت میں ۵۰ فیصد کمی کردی ہے جبکہ دو نئے کارخانے اپنی پیداوار کو فی الحال موخر کرنے پر مجبور ہیں۔ درآمدی پاؤڈر دودھ ۲۵ کلوگرام فی بوری ۲,۲۰۰ روپے پر دستیاب ہے جبکہ اسی مقدار کے تیار کردہ مقامی دودھ کی قیمت ۲,۸۰۰ روپے ہے۔ پاکستان ڈیری ایسوسی ایشن کے چیئرمین اکرام الحق نے کہا کہ امریکہ اور یورپی یونین دودھ کی کمپنیوں کو برآمد پر امدادی رقم فراہم کرتے ہیں اور حال ہی میں یورپی یونین نے ہر میٹرک ٹن دودھ کی برآمد پر اپنے گوالوں کو ۶۰۰ یورو (۳۹,۰۰۰ روپے) کی امدادی رقم دی جس کی وجہ سے پاکستان میں ایک بوری برآمدی پاؤڈر دودھ کی قیمت میں ۱,۰۰۰ روپے کی کمی واقع ہوئی۔ امریکہ اور یورپی یونین کی اعلان کردہ تجارتی پالیسیوں کے تحت اپنی زرعی چھوٹ یا مراعات کی رقم کو ۸۵۵ یورو فی میٹرک ٹن سے کم کرتے ہوئے جولائی ۲۰۰۱ تک صفر پر لانا تھا۔ پاکستان اور برازیل جیسے ترقی پزیر ممالک نے جوں ہی ترقی یافتہ ممالک کی منڈیوں تک رسائی حاصل کی، صرف چار ماہ بعد ہی یہ مراعات دوبارہ بحال کردی گئیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں چھوٹ یا مراعات کے دوبارہ متعارف کرائے جانے کے بعد سے پاکستان میں پاؤڈر دودھ کی درآمد دس ماہ میں ۱۳,۰۰۰ میٹرک ٹن تک پہنچ گئی ہے جو کہ سابقہ ۶,۳۹۷ میٹرک ٹن کی دگنی مقدار سے بھی زیادہ ہے۔

اکرام الحق کا کہنا ہے کہ ایک حکومتی اسکیم، جس کا مقصد اسکولوں میں بچوں کو مفت دودھ کی فراہمی ہے، کے تحت دودھ درآمد کیا جارہا ہے۔ اس اسکیم کے تحت آنے والے دودھ کا نصف حصہ کھلی منڈی میں نہایت سستے داموں فروخت کردیا جاتا ہے اور جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ”(اسکول کے بچوں تک دودھ پہنچانے کے لیے) دودھ کی پیکنگ اور بھرنے کے اخراجات اس فروخت سے پورے کیے جاتے ہیں۔“ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ غریب کسان گروہ جو ۳۰ ملین روپے یومیہ کے حساب سے رقم کمایا کرتے تھے اب صرف ۱۵ ملین روپے یومیہ حاصل کر پا رہے ہیں۔ اکرام الحق نے حکومت سے کہا کہ دودھ پر ۵۵ فیصد درآمدی محصول (ٹیکس) عائد کیا جائے تا کہ مقامی صنعت کو سانس لینے کا موقع ملے۔ انہوں نے اسکولوں کو مفت دودھ کی فراہمی کے پروگرام کے لیے بھی مقامی دودھ خریدنے پر زور دیا۔ ڈان، ۲۰، مئی ۲۰۰۳

وزارت خزانہ کا کھاد کی قیمت میں کمی سے انکار

وزارت صنعت اور کھاد تیار کرنے والے کارخانوں کے درمیان کھاد کی قیمت میں فی بوری ۲۰ روپے کی کمی کا معاہدہ فی الحال بے یقینی کا شکار ہوگیا ہے۔ کابینہ کی کھاد کمیٹی نے ۲۰ روپے فی بوری قیمت میں کمی کے لیے تجویز کی منظوری دے دی تھی۔ یہ تجویز بعد ازاں وزارت خزانہ کے پاس جمع کرادی گئی لیکن وزارت خزانہ کا کہنا ہے کہ آئی ایم ایف کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی وجہ سے کسی قسم کی رعائت نہیں دی جاسکتی۔

ڈان، ۸، مئی ۲۰۰۳

وزیراعظم نے ۱۶، اپریل کو گندم کی کٹائی کے افتتاح کے موقع پر اعلان کیا تھا کہ خریف کا موسم شروع ہونے سے قبل کھاد کی قیمت میں کمی کی جائیگی لیکن ابھی تک اس پر عمل نہ ہوسکا۔ حکومت نے آئی ایم ایف کے ساتھ معاہدے پر عمل درآمد کرتے ہوئے گیس سمیت تقریباً ہر چیز پر ۱۵ فیصد سیلز ٹیکس نافذ کیا ہے، جس کی وجہ سے کھاد کی قیمتوں میں بھی

اضافہ ہوا۔حکومت کھاد کے ایک کارخانے کو سالانہ ایک ارب روپے کی رقم کسانوں سے جمع کرکے ادا کرتی ہے تاکہ کارخانے کے منافع کو برقرار رکھا جاسکے! کارخانے دار اور وزارت خزانہ دونوں اپنی جگہ کسانوں کو کوئی رعائت دینے پر تیار نہیں ہیں۔ اگر وزارت کی ''مجبوری'' آئی ایم ایف ہے تو کارخانہ داروں کی مجبوری ان کے منافع کی ہوس ہے۔ان دونوں کی ''مجبوریوں'' کے بیچ کسان مزید پستے جارہے ہیں۔

ممنوعہ دھان کی اقسام کی کاشت

سیالکوٹ اور نارووال کے اضلاع میں کاشتکار ممنوعہ چاول کی اقسام کھلے عام کاشت کررہے ہیں۔ضلع سیالکوٹ اور نارووال کی انتظامیہ نے دفعہ ۱۴۴ کے تحت دھان کی چار اقسام کی کاشت اور خرید وفروخت پر پابندی عائد کررکھی ہے لیکن اس کے باوجود کاشتکار ان کو کاشت کررہے ہیں۔ایک کسان نے بتایا کہ ممنوعہ اقسام نہ صرف سستی پڑتی ہیں بلکہ آسان کاشت کے ساتھ ساتھ فی ایکڑ پیداوار بھی زیادہ دیتی ہیں۔شعبہ زراعت کے اہلکاروں اور بیرونی خریداران ممنوعہ اقسام کے چاول کو عالمی منڈی کے لیے غیر معیاری ہونے کے باعث رد کرچکے ہیں لیکن کسانوں نے بتایا کہ وہ اسے مقامی منڈی کے لیے کاشت کررہے ہیں۔ ڈان، ۶ جون ۲۰۰۳

حکومت نے سب سے پہلے تو ملک میں خشک سالی کے باعث پانی کی کمی کا بہانہ بنا کر سندھ کے کئی اضلاع میں چاول کی کاشت پر پابندی عائد کردی اور اس کی جگہ کپاس جیسی نقد آور فصل کی حوصلہ افزائی کی۔اس کے بعد چاول کی صرف ان اقسام کو اگانے کی اجازت دی گئی جن سے حکومت کو زرمبادلہ ملتا ہے۔اس طرح حکومت نے عوام کی غذائی ضروریات پر زرمبادلہ کمانے کو ترجیح دی۔حکومت نے آئندہ مالی سال کے لیے جو زرعی منصوبہ بندی کی ہے اس کے مطابق اعلیٰ قسم کے باسمتی چاول کی پیداوار ۲ء۲۹ ملین ٹن سے ۲ء۳ ملین ٹن تک بڑھاتے ہوئے اس کی پیداوار میں ۰ء۳ فیصد اضافہ کرنا ہے۔ان اقدامات سے واضح ہوتا ہے کہ حکومتی پالیسیاں کس حد تک عوام کے تحفظ خوراک کو متاثر کرنے کا باعث بنتی ہیں۔

تھر میں پانی کی قلت اور اس کا انوکھا حل

''تھر میں پانی کی قلت اور اس کے حل'' کے عنوان سے منعقدہ مذاکرے میں تھری عوام کو درپیش مسائل اجاگر کرنے کے لیے ایک سروے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔مقررین نے کہا کہ سب سے بڑا مسئلہ پینے کے لیے صاف پانی کی فراہمی ہے۔ان کے مطابق تھر کے مسائل سے نمٹنا آسان نہیں ہے اور نہ ہی حکومت اکیلے اس مسئلہ سے نمٹ سکتی ہے۔انہوں نے زور دے کر کہا کہ کارپوریٹ شعبے (منافع کمانے والی کمپنیاں) کو آگے بڑھ کر تکنیکی مہارت اور مالیاتی مدد پیش کرنی چاہیے۔ ڈان، ۱۴ مئی ۲۰۰۳

۱۰ مئی کی ایک خبر میں بتایا گیا تھا کہ مذکورہ بالا پروگرام یونی لیور نامی بین الاقوامی کمپنی کے تعاون سے منعقد ہوگا۔یونی لیور کے تحت ہونے والے مذاکرے میں دو اہم امور کی نشاندہی کی گئی ہے: اول پانی کی قلت؛ دوئم اور سب سے اہم یہ کہ اس مسئلے کا حل پانی کی نجکاری ہے جو کہ بڑی بڑی کمپنیوں کے حوالے کردیا جائے۔

یونی لیور نے پاکستان میں پانی کے مسئلہ کے لیے انتہائی چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تھرپارکر جیسے علاقے کا انتخاب کیا ہے لیکن عالمی سطح پر دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کوئی نیا حربہ نہیں۔عالمی بینک اور ورلڈ واٹر وژن کی رپورٹوں میں مشرق وسطیٰ کے صحرائی علاقوں اور اس خطے میں پانی کی قلت کا کثرت سے تذکرہ موجود ہے۔اسی طرح تیسری دنیا میں ریاستوں کی طرف سے صاف پانی مہیا کرنے میں ناکامی کا بہانہ تراشنے کا طریقہ بھی اس خبر سے ملتا جلتا ہے۔پانی فراہم کرنے کے نظام کے بارے میں عالمی اداروں کا نیا پروپگنڈا ہے کہ اس کام کے لیے بہت زیادہ سرمایہ کاری کی ضرورت ہے جو تیسری دنیا کے ممالک کے بس کی بات نہیں۔اس مسئلے کا صرف ایک ہی حل پیش کیا جارہا ہے یعنی پانی کی فراہمی کی ذمہ داری کارپوریٹ شعبہ کے ہاتھ میں دے کر عوام سے اس خدمت کی قیمت وصول کی جائے۔دوسرے الفاظ میں پانی کی فراہمی کو سرمایہ دار کمپنیوں کے حوالے کرکے عوام کو ایک بنیادی حق سے محروم کیا جارہا ہے۔

ایشیائی ترقیاتی بینک کا مال مویشیوں کے لیے قرضہ

ایشیائی ترقیاتی بینک (اے ڈی بی) بلوچستان میں خشک سالی سے نمٹنے کی خاطر مال مویشیوں کے ضمن میں ۱۰۰ ملین ڈالرز کی امداد دے گا۔یہ بات اے ڈی بی کے پاکستان میں نمائندے نے وفاقی وزیر خوراک وزراعت اور مال مویشی سے ملاقات میں کہی۔انہوں نے زراعت اور مویشیوں کے ضمن میں جاری موجودہ اور آئندہ منصوبوں پر بھی غور کیا۔

وفاقی وزیر نے کہا کہ غربت میں کمی کے لیے زرعی شعبے کی ترقی ایک اہم کنجی ہے۔بینک کے اہلکار نے بتایا کہ بینک اس وقت تین بڑے منصوبوں یعنی بارانی ڈیولپمنٹ پروجیکٹ پنجاب، بلوچستان رورل ڈیولپمنٹ اینڈ کانزرویشن پروجیکٹ اور سندھ کوسٹل ایریا اینڈ کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروجیکٹ چلا رہا ہے۔ پی پی آئی، ۱۹ جون ۲۰۰۳

صوبہ بلوچستان حالیہ خشک سالی میں سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے۔مویشیوں کا کاروبار یہاں کا سب سے اہم اور قدیم ذریعہ معاش ہے، جس سے گھرانے کے تمام افراد وابستہ ہوتے ہیں۔عالمی مالیاتی ادارے خشک سالی جیسے حالات کا فائدہ اٹھا کر تجارتی مقاصد کو آگے بڑھاتے ہیں۔ان اداروں کا مقصد خاندانی سطح پر پیداوار کے بجائے منڈی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے سرمایہ دارانہ پیداواری طریقوں کی تلاش ہے۔ اے ڈی بی کا زراعت اور ماہی پروری جیسے خاندانی پیشوں کے بعد مال مویشی کے شعبے کے لیے امداد یقیناً تشویش ناک ہے۔

یورپی کمیشن کا ۲۷ ممالک سے پانی کی نجکاری کا مطالبہ

یورپی یونین نے دنیا کے ۲۷ ممالک سے کہا ہے کہ وہ پانی کی نجکاری کے لیے اپنی منڈیوں کو پانی کا کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے لیے کھول دیں۔ یہ درخواست یورپی کمیشن اور پانی کا کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے مابین بڑھتے ہوئے تعاون اور مشاورت، ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (ڈبلیوٹی او) کے ایک معاہدہ، عالمی معاہدہ برائے تجارتی خدمات (گیٹس) پر غوروخوض کے بعد سامنے آئی ہے۔

divwomen@vsnl.com ۸، اپریل ۲۰۰۳

پانی ایک بنیادی انسانی حق ہے اور ہر ریاست کا فرض ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو پینے کا صاف پانی فراہم کرے لیکن آزاد تجارت کے تحت ''ہر شئے'' پر ''برائے فروخت'' کی چٹ لگادی گئی جس میں پانی بھی شامل ہے۔ یورپی یونین کا ترقی پزیر ممالک سے پانی کی نجکاری کا مطالبہ پانی کے کاروبار سے وابستہ بین الاقوامی کمپنیوں کے لیے راہ ہموار کرنا ہے۔

مونسانٹو کا برازیلی سویابین کے برآمدکنندگان سے ادائیگی کا مطالبہ

مونسانٹو کمپنی نے کہا ہے کہ برازیل سے امریکہ برآمد کی گئی جینیاتی سویابین فروخت کرنے والے برآمدکنندگان سے مونسانٹو لائسنس خریدنے کا مطالبہ کرسکتی ہے، ورنہ برآمدکنندگان کو ''قانونی کاروائی کا سامنا'' کرنا پڑے گا۔ مونسانٹو کمپنی کے نائب صدر نے سینٹ کی خارجہ تعلقات کے لیے تیار کردہ تحریری شہادت میں کہا ''مونسانٹو صرف اسی کو برازیل سے راؤنڈاپ ریڈی سویابین برآمد کرنے کی اجازت دے گا جو ایک معاہدے کے ذریعہ سویابین پر ہماری ذہنی ملکیت کو تسلیم کرے گا... اور ہمیں رقم کی صورت میں زرتلافی ادا کرے گا''۔ مزید یہ کہ ''مونسانٹو برازیل میں اس وقت تک دوسرے جینیاتی اقسام متعارف کرنے نہیں دے گا جب تک (برازیل) ذہنی ملکیت کے حقوق کے تحفظ کا احترام نہ کرے اور اس کو صحیح طریقہ سے لاگو نہ کردے۔''

http:/www.agweb.com/news رائٹرز، ۲۰ مئی ۲۰۰۳

مونسانٹو زرعی کاروبار کرنے والی ایک بہت بڑی بین الاقوامی کمپنی ہے۔ اس خبر سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کسی ملک میں اس کمپنی کی بیج فیس برائے حق ملکیت کی ادائیگی کے بغیر کاشت کی گئی تو اسے برآمد کرنا آسان نہیں ہوگا۔ اس لیے ہر ملک کو مجبوراً اپنے قوانین میں ترامیم کرکے کمپنیوں کی ذہنی ملکیت کے تحفظ کو قانونی حیثیت دینا ہوگی۔ کمپنی اس بات پر تو فکرمند ہے کہ اس کی تیار کردہ بیج کی فیس ادا نہیں کی جارہی لیکن اسے جینیاتی سویابین کی غیرقانونی کاشت کے نتیجے میں سنگین ماحولیاتی آلودگی اور اس کے قرہ العرض پر پڑنے والے منفی اثرات کی کوئی فکر نہیں۔

عالمی زراعت ۲۰۱۵/۳۰ کی جانب

عالمی ادارہ برائے خوراک وزراعت (ایف اے او) نے حال ہی میں ایک رپورٹ ''عالمی زراعت: ۲۰۱۵/۳۰ کی جانب۔ ایف اے او کی نقطہ نظر سے'' جاری کی ہے۔ ۴۴۴ صفحات پر مشتمل یہ جامع رپورٹ دنیا بھر کے لیے خوراک کی ترسیل، غذائیت اور زراعت سے متعلق ادارے کے آئندہ سالوں کے بارے میں تازہ ترین جائزے پر مشتمل ہے۔ یہ رپورٹ ۲۰۱۵ اور ۲۰۳۰ کے عرصہ میں دنیا بھر میں خوراک وزراعت کے بارے میں توقعات کا جائزہ لیتی ہے جس میں ماہی گیری اور جنگلات بھی شامل ہیں۔ رپورٹ میں آئندہ تجارت اور پائیدار ترقی اور اس کے نتیجے میں متاثر ہونے والے معاملات کو بھی زیرغور لایا گیا ہے۔

موجودہ رپورٹ ایف اے او کی ۱۹۹۵ میں جاری کی گئی عالمی تحقیق ''عالمی زراعت ۲۰۱۰ کی جانب'' کو تازہ ترین معلومات کے ساتھ آگے بڑھاتی ہے۔

www.fao.org/es/ESD/gstudies.htm ۴ مئی ۲۰۰۳

اقوام متحدہ کے ادارے ایف اے او کو دنیا میں بڑھتی ہوئی بھوک پر سخت تشویش ہے۔ ادارہ اس کا اظہار وقتاً فوقتاً مختلف رپورٹوں اور عالمی سطح پر بین الاقوامی کانفرنسوں کے ذریعے کرتا رہتا ہے۔ اس ادارے نے عالمی سطح پر خوراک کے معاملے پر ۱۹۹۶ میں ایک عالمی کانفرنس منعقد کی جس میں عہد کیا گیا تھا کہ سال ۲۰۱۵ تک غذائی کمی کے شکار ۸۰۰ ملین افراد کی تعداد گھٹا کر نصف کردی جائے گی۔ ۱۸۰ ممالک کے سربراہان مملکت اور اعلیٰ عہدیدار ۲۰۰۲ میں اس ''عہد'' کا جائزہ لینے کے لیے دوبارہ جمع ہوئے تو انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ مقررہ ہدف کے حصول کی طرف پیش رفت تو دور کی بات، صورتحال پہلے سے زیادہ سنگین ہوگئی ہے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ عالمی سطح پر بھوک وافلاس میں مزید اضافہ ہورہا ہے۔

ایف اے او بھی دنیا سے بھوک سے دوچار افراد کی تعداد گھٹانے کے لیے انہی طریقوں کی وکالت کرتا ہے جو عالمی بینک اور ڈبلیوٹی او آزاد تجارت کے نظریہ کے تحت تجویز کرتے ہیں۔ مثلاً ۲۰۰۲ کی کانفرنس میں ایف اے او نے بھوک مٹانے کے لیے جینیاتی انجینیئرنگ کے ذریعہ فصلیں اگانے کے طریقہ کو تسلیم کیا حالانکہ دنیا بھر میں سائنسدان اور عوام اس طریقے کار کی سخت مخالفت کررہے ہیں۔ یہاں تک کہ یورپ جیسے ترقی یافتہ براعظم میں بھی جینیاتی فصلوں اور اشیاء پر پابندی عائد ہے۔

بولیویا کے قدرتی وسائل کی تجارت کے لیے منصوبے

بولیویا میں غربت میں کمی اور پائیدار ترقی کی نشوونما کے لیے ''نیشنل بائیو ٹریڈ پروگرام (پی این جی ایس)'' شروع کیا گیا ہے۔ یہ پروگرام اقوام متحدہ کے ادارے کانفرنس برائے تجارت وترقی (یو این سی ٹی اے ڈی) کے تحت نافذ کیا جائے گا۔ اس ادارے کی طرف سے شروع کردہ ''تجارتی پروگرام برائے زندہ اجسام'' کا مقصد ترقی پزیر ممالک میں پائے جانے والی حیاتی تنوع (بائیوڈائیورسٹی) سے تیار کردہ اشیاء اور خدمات کی ملکی اور بین الاقوامی تجارت کو فروغ دینا ہے۔ اس کے علاوہ ان ممالک میں ان اشیاء کی تجارت کی صلاحیت بڑھانا ایک اور مقصد ہے۔ بولیویا ان ممالک کی فہرست میں شامل ہے جو دنیا میں پائے جانے والی ۷۰ فیصد حیاتی تنوع (قدرتی اجسام کی وسعت) کے مالک ہیں۔ لیکن قدرتی دولت سے مالا مال اس ملک میں غربت کی سطح بہت بلند ہے۔ اس پروگرام کا مقصد حیاتی تنوع کی تجارت کے ذریعے آمدنی بڑھانے اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد کی منصفانہ تقسیم ہے۔

یو این سی ٹی اے ڈی پریس ریلیز ۱۱، جون ۲۰۰۳

گلابلائیزیشن کے اس دور میں قدرتی وسائل پر عالمی کمپنیوں کا قبضہ، ذہنی ملکیت کے تحفظ کے معاہدوں اور جینیاتی انجینیئر نگ نے بہت اہمیت اختیار کر ڈالی ہے۔ ایک طرف ماحولیاتی آلودگی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں سے کئی زندہ اجسام تیزی سے ناپید ہو رہے ہیں تو دوسری طرف ان کی تجارت میں تیزی آرہی ہے۔ اس طرح یہ دھری تلوار زندہ اجسام کے لیے خطرہ بن گئی ہے۔ اقوام متحدہ کے ادارے غریب ممالک میں غربت کا بہانہ بنا کر ان کے حیاتی تنوع پر بین الاقوامی کمپنیوں کے قبضے کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ ان کمپنیوں کو اب ۲۱ ویں صدی میں زندہ اجسام میں پائے جانے والی جینیاتی مواد پر حق ذہنی ملکیت کے ذریعہ قبضہ چاہیے۔ نوآبادیاتی دور میں ان ممالک کے لوٹ مار کا نشانہ سونا، چاندی، کپاس اور اس طرح کے دیگر معدنیات واشیاء شامل تھیں۔ اقوام متحدہ کے نام نہاد عوامی بہبود کے منصوبے اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے تجارتی معاہدے سامراجی ارادوں کو پائے تکمیل تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

مغرب کی طرف سے جھینگوں کی مانگ: عورتوں کے حقوق کی نفی

مغربی ملکوں میں پر تعش کھانوں کی فراہمی کے کاروبار نے ترقی پزیر ممالک میں عورتوں کے حقوق کو بری طرح متاثر کیا ہے مثلاً جھینگوں کی طلب نے دنیا بھر میں شدید نوعیت کے مسائل پیدا کیے ہیں۔ انوائرمینٹل جسٹس فاؤنڈیشن کی شائع کردہ تازہ ترین رپورٹ کے مطابق ترقی پزیر دنیا کے ساحلی علاقوں میں تجارتی مقاصد کے لیے جھینگے کی پیداوار (شرمپ فارمنگ) کے شروع کیے جانے کے بعد سے انتہائی غریب اور لاچار آبادیوں کی عورتوں کی روزی کو چھینا گیا اور انہیں کئی مسائل سے دوچار کیا گیا ہے جن میں:

- عورتیں مجبور ہیں کہ وہ پانی کے لیے ۵ سے ۶ کلومیٹر تک پیدل سفر کریں کیونکہ جھینگے کی پیداوار کی وجہ سے نزدیکی کنوؤں کا پانی آلودہ ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں جھینگے پالے جاتے ہیں ان کے اردگرد کے کنوؤں میں نمک اور کیمیائی مواد کی وجہ سے پانی آلودہ ہو جاتا ہے۔
- جھینگوں کی جدید تجارتی پیمانے پر پیداوار کی وجہ سے عورتوں کی وسائل پر سے بے دخلی اور نقد آمدنی سے محرومی۔
- جھینگے کے فارم کے مالکان کے ہاتھوں عورتوں پر تشدد۔
- جنسی تشدد بشمول زنا بالجبر۔
- جھینگے کی صنعت کے وسعت کے خلاف پرامن مظاہروں اور احتجاج پر عورتوں کی ہلاکت۔
- جھینگے کو اکھٹا کرنے اور تیار کرنے والے کارخانوں میں صحت کو لاحق نقصانات۔
- مزدور حقوق کی عدم موجودگی میں لمبے اوقات تک جبری مشقت۔

انوائرمنٹل جسٹس فاؤنڈیشن نیوز ریلیز، info@ejfoundation.org ۱۹، جولائی ۲۰۰۳

امریکہ میں کسانوں کا جینیاتی فصلوں کے خلاف احتجاج

امریکہ بھر سے گھریلو کاشتکاری (خاندانی کھیتی باڑی) سے وابستہ کسانوں نے ''وزارتی اجلاس اور ایکسپو برائے زراعت، سائنس اور ٹیکنالوجی'' کے موقع پر جینیاتی طور پر پیدا شدہ مکئی احتجاجاً ڈھیر کردی۔ یہ احتجاج بش سرکار اور جینیاتی صنعت کے طرف سے جینیاتی انجینیئر نگ سے تیار کرنے والے بیج اور خوراک کے بارے میں پیش کیے جانے والے جھوٹ کو سامنے لانے کی خاطر کیا گیا تھا۔ اس وزارتی اجلاس میں ۱۲۰ ممالک کے وزرائے زراعت کے افسران شریک ہوئے۔ مظاہرے میں شریک ایک کسان نے بتایا کہ ''امریکہ دنیا بھر کے وزرائے زراعت کو صاف اور واضح پیغام پہنچا رہا ہے کہ جینیاتی ٹیکنالوجی کے معاملے میں یا تو آپ ہمارے ساتھ چلیں یا پھر ہم اپنی معاشی طاقت کے بل بوتے جینیاتی فصلیں اور مصنوعات آپ کے حلق میں ٹھونس دیں گے۔'' مظاہرین کا کہنا تھا کہ گھریلو کاشتکاروں کو جینیاتی مصنوعات کے استعمال سے کافی معاشی نقصانات اٹھانے پڑے ہیں لیکن ان فصلوں کے بارے میں حقائق اور اس کے گھریلو کاشتکاروں پر پڑنے والے منفی اثرات جینیاتی صنعت کی کروڑوں ڈالرز سے چلائی جانے والی تعلقات عامہ کی مہم کے ذریعہ چھپا دیے گئے ہیں۔ جینیاتی صنعت کے منصوبوں کو امریکی شعبہ زراعت کی پشت پناہی حاصل ہے اور یہی دو اہم مہرے اس کانفرنس کے سرپرست ہیں۔

http://www.indybay.org/news/2003/06/1622399.php
۲۵، جون ۲۰۰۳

زہر صرف زہر ہے!

خائستہ محمد

کیڑے مار ادویات بنانے والی بین الاقوامی کمپنیوں کا کہنا ہے کہ زرعی کیڑے مار ادویات کے استعمال سے فصلیں محفوظ ہوتی ہیں۔ پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے، غربت میں کمی اور کسانوں کی زندگی میں بہتر تبدیلی واقع ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کیڑے مار ادویات تیار کرنے والی مقامی اور بین الاقوامی کمپنیوں کو نہ تو انسانی زندگی کی بہتری سے اور نہ ہی غربت میں کمی سے کوئی سروکار ہے بلکہ ان کا مقصد صرف منافع کمانا ہے۔ اگر کمپنیوں کا مقصد انسان اور ماحول کی بہتری یا غربت میں کمی ہوتا تو وہ ان ہزاروں تحقیقات کو ہرگز نظر انداز نہیں کرتیں، جو ثابت کرتی ہیں کہ کیڑے مار ادویات جانداروں کی صحت اور ماحول کے لیے شدید نقصاندہ ہیں۔

چند دن پہلے تک حیدرآباد کے ایک تعلقہ ٹنڈو محمد خان میں بھنڈی کی فصل پر زہریلی ادویات کا چھڑکاؤ کیا جاتا رہا۔ یہ اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں کہ ان متاثرہ سبزیوں کو استعمال میں لانے والوں کا کیا حشر ہوا ہوگا! تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ بھنڈی، بیگن اور لوکی جیسی عام سبزیوں میں متعین شرح سے بھی زیادہ مقدار میں کیڑے مار ادویات کی باقیات پائی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ سیب اور کھلی میں بھی اس کی خطرناک مقدار ملنے کی تصدیق ہوئی ہے۔[1] کیڑے مار ادویات سے نا صرف بیماریوں میں اضافہ ہو رہا ہے بلکہ اموات بھی واقع ہوتی ہیں۔

تیسری دنیا کے دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی مزدور کسان عورتوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ کھیتوں میں مستقل کام کرنے کی وجہ سے ان پر کیڑے مار ادویات کا اثر بھی زیادہ پڑتا ہے۔ عورت بچے کو نو ماہ اپنے رحم میں پالتی ہے اس لیے کیڑے مار ادویات کا اثر عورت کے حوالے سے مزید تشویش ناک ہے۔ ماں کے پیٹ میں بچہ ان زہریلی ادویات سے جسمانی اور ذہنی لحاظ سے متاثر ہوسکتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان کے کپاس پیدا کرنے والے نو بڑے اضلاع میں ۲۶ لاکھ عورتیں کپاس چننے کے کام سے وابستہ ہیں۔ اس طرح نا صرف یہ عورتیں بلکہ ہماری آنے والی نسلیں بھی ادویات کے زہر سے محفوظ نہیں۔[2]

پاکستان میں ۷۶ فیصد کیڑے مار ادویات صرف کپاس پر استعمال کی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کیڑے مار ادویات کے زہر سے متاثرہ افراد میں کپاس کی فصل سے متاثر ہونے والوں کی تعداد ایک تہائی ہے۔ لیکن اکثریت اپنی بیماری کی وجہ کیڑے مار ادویات سے نہیں جوڑتی۔[3] یہی وجہ ہے کہ کسان اکثر چھڑکاؤ کرنے کے بعد خالی بوتلوں کو کھیتوں میں پھینک دیتے ہیں یا نہر اور تالابوں کے قریب چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ زہریلی ادویات کی بوتلیں بچے کھیلنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ نتیجتاً یا تو بچے جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں یا مختلف بیماریوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اس سال کا سب سے بڑا واقع ہالا، ضلع حیدرآباد کے قریب پیش آیا، جس میں تین بچوں نے، جو کہ آپس میں بھائی بھی تھے، نہر کے پاس پڑی زہریلی دوا کی بوتل میں پانی ڈال کر پی گئے اور زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اس کے علاوہ یہ بوتلیں اور ڈبے گاؤں میں عورتیں نمک، مرچ، چینی، مصالحے اور چائے کی پتی رکھنے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ ٹنڈو محمد خان کے ۹ گوٹھوں میں کئی گھرانوں کے باورچی خانہ کا معائنہ کیا گیا تو کیڑے مار ادویات کی بے شمار بوتلیں پائی گئیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عام لوگ کیڑے مار ادویات کے زہریلے پن سے کس حد تک بے خبر ہیں۔

کیڑے مار ادویات کے استعمال اور نقصانات پر تازہ ترین تحقیق

اس سال کے آغاز میں انوائرمینٹل جسٹس فاؤنڈیشن نامی ادارے نے ایک رپورٹ جاری کی جس کے مطابق کیڑے مار ادویات سے:

- دماغ، چھاتی، جگر، پیٹ، مثانہ، گردے، لبلبہ، پھیپھڑے اور عورت کے بیضہ دانی کا کینسر لاحق ہوتا ہے۔
- نشو و نما میں بے قاعدگی، پیدائشی نقائص، مدافعاتی اور اعصابی بیماریوں کے علاوہ اچانک موت واقع ہوسکتی ہے۔
- کھیتی باڑی سے منسلک بچوں کی بڑی تعداد متاثر ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کی کیڑے مار ادویات تک رسائی بہت آسان ہوتی ہے۔ تحقیق میں عالمی ادارہ خوراک وزراعت کے کمبوڈیا میں جائزہ کا حوالہ دیا گیا ہے جہاں آدھے کسانوں نے بتایا کہ ان کے بچے فصلوں پر کیڑے مار ادویات کا چھڑکاؤ کرتے ہیں۔
- برازیل کی وزارت صحت کے مطابق سال ۲۰۰۰ میں کیڑے مار ادویات کی وجہ سے ۳ لاکھ افراد زہریلی ادویات کے شکار ہوئے اور ۵ ہزار اموات کا اندازہ لگایا گیا۔ کیڑے مار ادویات کے شکار افراد کے علاج معالجہ اور کام سے غیر حاضری کی صورت میں ہونے والے نقصانات کا تخمینہ ۴۰ ملین ڈالرز لگایا گیا ہے۔
- ترقی پزیر ممالک میں ۶۰ تا ۸۰ فیصد خوراک کی پیداوار عورتوں کی مرہون منت ہے۔ یہی نہیں بلکہ مردوں کے آلودہ کپڑے، چھڑکاؤ والے ڈبے اور اوزار کی صفائی بھی عورتیں ہی کرتی ہیں۔ حاملہ عورتوں کے کیڑے مار ادویات سے متاثر ہونے کی صورت میں پیٹ میں پرورش پانے والے بچے کے مائعات پیدا کرنے والے نظام میں گڑبڑ پیدا ہونے کے خدشات کا اظہار کرنے کے علاوہ ماں کے دودھ کے آلودہ ہونے کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے۔

۲۱، اپریل ۲۰۰۳ انوائرمینٹل جسٹس فاؤنڈیشن

ایک خبر کے مطابق ہوسڑی موڑ، حیدر آباد کے قریب ایک ہاری کیڑے مار دوا کا چھڑکاؤ کرتے ہوئے بے ہوش ہوا اور کسی طبی امداد یا اسپتال لے جانے سے قبل ہی اس کی موت واقع ہوگئی۔[4] اگرچہ اخبارات میں کیڑے مار ادویات سے شکار ہونے والوں کے بارے میں خبروں کا اضافہ ہو رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بڑی تعداد میں خبریں اخبارات میں چھپتی ہی نہیں۔ اسی طرح کا ایک واقعہ حال ہی میں ٹنڈو محمد خان سے ملحقہ گاؤں میں رونما ہوا۔ ایک ۱۹ سالہ نوجوان نے بیروزگاری سے تنگ آ کر زہریلی دوا پی لی۔ بروقت طبی امداد ملنے کے باعث اس کی زندگی بچ گئی۔ اس واقعہ کا اندراج کہیں نہیں ہے۔ ایسے سینکڑوں مزید واقعات کی مثالیں موجود ہیں۔

عالمی اور مقامی سطح پر ہونے والی تحقیقات اور رونما ہونے والے واقعات اور نقصانات میں اضافے کو سامنے رکھتے ہوئے کیڑے مار ادویات کی تیاری، تجارت اور استعمال پر پابندی لگاتے ہوئے ان کمپنیوں کے خلاف کاروائی ہونی چاہیے جو کہ صرف منافع کمانے کی لالچ میں انسانی جانوں اور ماحول کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ گورنمنٹ آف پاکستان، یواین ڈی پی/ایف اے او، ’’پیسٹی سائیڈ ریفارم فار فوڈ سیکورٹی ان پاکستان،‘‘ صفحہ نمبر۱۴۔

۲۔ ایضاً، صفحہ نمبر۱۵۔

۳۔ سیما طاہر، پیسٹی سائیڈ ایفیکٹ آن ہیومن ہیلتھ ان پاکستان فوڈ اینڈ ایگری کلچر، آرگنائزیشن صفحہ۱۱۔

۴۔ جنگ، ۵، جولائی ۲۰۰۳۔